

حق چاریاڑ

یا اللہ مدد

خلافت راشدہ

صلى الله عليه وسلم
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

الكلام الفصيح فى ركعات التراويح

نماز تراویح

اور

مذاهب اہل حدیث

مؤلفہ

حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی
چیرمین حق چاریاڑ اکیڈمی گجرات

ناشر

حق چاریاڑ اکیڈمی

مدسہ حیات النبی، محلہ حیات النبی، گجرات

رکعات تراویح

اور

مذاہب اہل حدیث

مولف

حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی

ناشر

حق چاریار اکیڈمی

جامع مسجد حیات النبیؐ، محلہ حیات النبیؐ، گجرات

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	رکعات تراویح اور مذاہب اہل حدیث
مولف	حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی
ناشر	حق چار یاڑا کینڈی، محلہ حیات النبی، گجرات
صفحات	۱۵۲
تعداد	۱۱۰۰
طبع اول	اکتوبر ۲۰۰۲ء
قیمت	۳۸ روپے

ملنے کے پتے

مدنی جامع مسجد، چکوال
 جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہؒ وائرسپلائی روڈ سرگودھا
 دفتر ماہنامہ حق چار یاڑا، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور
 مکتبہ صفدریہ، نزد گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ
 مکہ کتاب گھر، اردو بازار، لاہور
 قاری محمد ریاض، مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ

فہرست عنوانات

دیباچہ

۱۱

باب اول: عہد نبویؐ کی جماعت تراویح اور مختلف نقطہ ہائے نظر

۱۳

عہد نبویؐ کی جماعت تراویح

۱۴

عہد نبویؐ میں عمل صحابہ

۱۶

مختلف نقطہ ہائے نظر

۱۶

پہلا نقطہ نظر

۱۶

دوسرا نقطہ نظر

۱۷

تیسرا نقطہ نظر

۱۷

قادیانیت، رافضیت اور غیر مقلدیت کی فکری وحدت

۱۸

کیا تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہیں؟

۱۸

پہلی دلیل: تہجد قرآنی مسئلہ ہے

۱۹

دوسری دلیل: تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی تھی

۲۰

ایک غلط فہمی کا ازالہ

۲۰

تیسری دلیل: نماز تہجد پیغمبرؐ پر فرض تھی

۲۲

بلغ اشارہ

۲۲

چوتھی دلیل: تہجد کا وقت بعد النوم ہے

۲۳

پانچویں دلیل: دونوں کے ابواب جدا جدا ہیں

۲۳

چھٹی دلیل: فرامین پیغمبر ﷺ

۲۴

ساتویں دلیل: سیرت رسول ﷺ

- ۲۵ نکتہ عجیبہ
- ۲۶ آٹھویں دلیل: عہد نبویؐ کا واقعہ
- ۲۶ نویں دلیل: صحابیؓ کا عمل
- ۲۷ دسویں دلیل: دوسرے صحابیؓ کا عمل
- ۲۷ ایک مغالطہ اور اس کا جواب
- ۲۹ گیارہویں دلیل: امام بخاریؒ کا عمل
- ۲۹ بارہویں دلیل: رکعات تہجد مقرر نہیں
- ۲۹ تیرہویں دلیل: کیفیت تہجد متعین نہیں
- ۳۰ چودھویں دلیل: اسلاف کے اقوال و عمل
- ۳۱ پندرہویں دلیل: غیر مقلد علمائے اقوال و عمل
- ۳۱ ایک غلط فہمی کا ازالہ
- ۳۱ لطیفہ
- ۳۲ کیا وتر اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں؟
- ۳۲ دلیل اول
- ۳۳ دلیل دوم
- ۳۳ دلیل سوم
- ۳۳ دلیل چہارم
- ۳۴ دلیل پنجم
- ۳۵ دلیل ششم
- ۳۶ دلیل ہفتم

باب دوم: عہد نبویؐ کی رکعات تراویح

- ۳۶ پہلی روایت: حدیث عائشہ صدیقہؓ
- ۳۷ جواب اول: سیاق کلام
- ۳۸ جواب دوم: چار چار رکعت

- ۳۸ جواب سوم: بلاجماعت
- ۳۸ جواب چہارم: گھر میں
- ۳۸ جواب پنجم: کتاب التہجد میں
- ۳۸ ایک غلط فہمی کا ازالہ
- ۳۹ جواب ششم: رمضان میں کثرت صلوٰۃ
- ۳۹ جواب ہفتم: حدیث عائشہؓ کی اضطرابی کیفیت
- ۴۰ اضطرابی کیفیت کا پہلا پہلو: اختلاف رکعات
- ۴۱ رکعات تہجد اور اقوال سلف
- ۴۱ رکعات تہجد اور اقوال غیر مقلدین
- ۴۲ غیر مقلدین سے سوال
- ۴۲ اضطرابی کیفیت کا دوسرا پہلو: اختلاف کیفیت
- ۴۲ تیرہ رکعات کی مختلف کیفیات
- ۴۲ گیارہ رکعات کی مختلف کیفیات
- ۴۳ نورکعات کی مختلف کیفیات
- ۴۴ جواب ہشتم: اقوال ائمہ امتؒ
- ۴۵ دوسری روایت: حدیث جابر بن عبد اللہؓ
- ۴۵ پہلی حدیث جابرؓ
- ۴۶ حاصل بحث
- ۴۷ دوسری حدیث جابرؓ
- ۴۷ تیسری حدیث جابرؓ
- ۴۹ تیسری روایت: حدیث عبد اللہ ابن عباسؓ
- ۵۰ نقشہ احادیث تراویح
- ۵۱ حدیث ابن عباسؓ سے ائمہ کا استدلال
- ۵۱ حدیث جابرؓ کی توثیق کرنے والے اکابر کا استدلال
- ۵۴ ایک غلط فہمی کا ازالہ

۵۴	غیر مقلدین کا دوسرا معیار
۵۶	مولانا عبدالرحمن مبارک پوری کا فیصلہ
۵۶	ایک غلط فہمی کا ازالہ
۵۶	حاصل بحث

باب سوم: سنت خلفائے راشدینؓ

۵۹	عہد صدیقؓ میں نماز تراویح
۶۰	عہد فاروقیؓ کی جماعت تراویح
۶۲	دوسرا سرکاری حکم
۶۳	قیام رمضان باجماعت کا اجرا یا احیا؟
۶۴	عہد فاروقیؓ کی رکعات تراویح
۶۴	پہلی روایت
۶۵	غیر مقلدانہ معیار
۶۵	دوسری روایت
۶۷	تیسری روایت
۶۸	پہلا اعتراض
۶۸	دوسرا اعتراض
۶۸	تیسرا اعتراض
۶۹	چوتھی روایت
۶۹	پانچویں روایت
۶۹	الشیخ البانیؒ کا عجیب اعتراض
۷۰	چھٹی روایت
۷۰	ساتویں روایت
۷۰	آٹھویں روایت
۷۱	نویں روایت

۷۲	دسویں روایت
۷۲	گیارہویں روایت
۷۲	بارہویں روایت
۷۳	تیرہویں روایت
۷۴	لطیفہ: غیر مقلدین کی علمی بے بسی
۷۴	چودھویں روایت
۷۴	پندرہویں روایت
۷۵	سولہویں روایت
۷۶	سترہویں روایت
۷۶	مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ کا فیصلہ
۷۶	اسلاف امت کا استدلال
۷۸	نقشہ نمبر ۱
۸۰	نقشہ نمبر ۲
۸۱	غیر مقلدین سے ایک سوال
۸۲	روایات میں تطبیق
۸۴	حاصل بحث
۸۵	عہد عثمانیؓ اور عہد علویؓ میں قیام رمضان
۸۸	تعصب یا جہالت؟
۸۹	حضرت علیؓ کی دعائیں حضرت عمرؓ کے لیے
	سنت خلفائے راشدین کی شرعی حیثیت
	حاصل بحث

باب چہارم: تعامل خیر القرون

۹۲	صحابہ کرامؓ اور رکعات تراویح
۹۳	تعامل صحابہؓ کی شرعی حیثیت

- تراویح مدینہ منورہ میں ۹۵
- (۱) مدینہ منورہ کے اندر رکعات تراویح میں تغیر کب اور کتنا آیا؟ ۹۵
- (۲) رکعات میں اضافہ کیوں ہوا؟ ۹۶
- مسئلہ ۹۷
- ضروری وضاحت ۹۷
- (۳) اضافی رکعات کی مسنون حیثیت ۹۸
- (۴) مدینہ منورہ میں تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ ۹۹
- تراویح مکہ مکرمہ میں ۱۰۱
- تعال تالبعین وتبع تالبعین ۱۰۲
- باب پنجم: رکعات تراویح اور اجماع امت
- (۱) بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے ۱۰۶
- فقہ حنفی اور رکعات تراویح ۱۰۷
- فقہ مالکی اور رکعات تراویح ۱۱۰
- ایک غلط فہمی کا ازالہ ۱۱۲
- فقہ شافعی اور رکعات تراویح ۱۱۲
- ایک غلط فہمی کا ازالہ ۱۱۳
- فقہ حنبلی اور رکعات تراویح ۱۱۴
- فقہ ظاہری اور رکعات تراویح ۱۱۶
- اجماع امت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ۱۱۶
- اجماع سے کن لوگوں کا اجماع مراد ہے؟ ۱۱۶
- اجماع حجت شرعیہ ہے ۱۱۷
- حاصل بحث ۱۲۱
- اتمام حجت ۱۲۱
- اجماع سواد اعظم ۱۲۱

باب ششم: اصطلاح تراویح اور تعداد تراویح

- ۱۲۳ متواتر ومتوارث اصطلاح
 ۱۲۴ تراویح کا لغوی مفہوم
 ۱۲۴ تراویح کا اصطلاحی مفہوم
 ۱۲۵ تراویح کا شرعی مفہوم
 ۱۲۶ اصطلاح کی بناء اجتہاد
 ۱۲۷ یہ اصطلاح کب شروع ہوئی؟
 ۱۲۷ دل چسپ لطیفہ
 ۱۲۸ استراحت کی شرعی حیثیت
 ۱۲۸ دوران استراحت حکم
 ۱۲۹ تعداد تراویح
 ۱۳۰ پانچویں ترویجہ کے بعد استراحت کا حکم

باب ہفتم: سنن التراویح

- ۱۳۱ (۱) تراویح سنت موكده ہے
 ۱۳۳ (۲) تراویح کی بیس رکعت سنت موكده ہیں
 ۱۳۴ (۳) تراویح مساجد میں ادا کرنا سنت ہے
 ۱۳۴ (۴) تراویح باجماعت سنت ہے
 ۱۳۶ (۵) تراویح میں ختم قرآن سنت ہے
 ۱۳۶ غیر مقلد بن تے ایک سوال

باب ہشتم: مذاہب غیر مقلدین

- ۱۳۷ پہلا مذہب: تراویح بدعت ضلالت ہے
 ۱۳۸ دوسرا مذہب: تراویح بدعت حسنہ ہے
 ۱۳۹ تیسرا مذہب: تراویح نفلی عبادت ہے
 ۱۳۹ چوتھا مذہب: تہجد و تراویح ایک ہی نماز ہے

- ۱۴۰ پانچواں مذہب: تہجد و تراویح جدا جدا نمازیں ہیں
- ۱۴۰ چھٹا مذہب: حضورؐ نے تراویح کے علاوہ تہجد کی نماز نہیں پڑھی
- ۱۴۱ ساتواں مذہب: حضورؐ سے تراویح کے علاوہ تہجد ثابت ہے
- ۱۴۱ آٹھواں مذہب: قیام رمضان اور تراویح الگ الگ نمازیں ہیں
- ۱۴۲ نواں مذہب: تراویح باجماعت اور بلاجماعت دونوں صورتوں میں درست ہے
- ۱۴۲ دسواں مذہب: تراویح بغیر جماعت کے جائز نہیں
- ۱۴۲ گیارہواں مذہب: پورا مہینہ باجماعت تراویح غیر مسنون ہے
- ۱۴۳ بارہواں مذہب: تہجد و تراویح کی الگ الگ گیارہ رکعتیں ہیں
- ۱۴۴ لطیفہ
- ۱۴۴ تیرہواں مذہب: تراویح گھروں میں پڑھنا افضل ہے
- ۱۴۵ چودھواں مذہب: تراویح کی رکعات متعین نہیں
- ۱۴۵ پندرہواں مذہب: رکعات تراویح کا تعلق امور اجتہاد سے ہے
- ۱۴۶ سولہواں مذہب: تراویح میں گیارہ رکعات مسنون، باقی بدعت ہیں
- ۱۴۶ سترہواں مذہب: تراویح کی گیارہ رکعات مسنون، باقی مستحسن ہیں
- ۱۴۷ مولانا امرتسریؒ کا فتویٰ
- ۱۴۸ مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ بن بازؒ کا فتویٰ
- ۱۵۰ اٹھارہواں مذہب: بیس تراویح سنت خلفاء راشدینؓ ہے
- ۱۵۱ تازیانہ عبرت
- ۱۵۱ سوال نامہ

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم ۔ ابراہیم

یہ بوران اہل سنت و جماعت اور ایک ناقص ترویج حقیقت ہے کہ اہل سنت و جماعت کے تمام مکاتب فکر کے نزدیک نماز ترویج ایک مستقل اور مستون عبادت ہے جو پچھلے سو چھ سو سالوں سے دنیا کی اہم خصوصیات کے حوالے سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ کسی مستقل عبادت کی غیر مستقل، عارضی اور وقتی صورت پر غور نہیں جیسے کہ عصرہ عصر کے غیر مقدسین حضرات اسے مسجد کی متبادل وقتی صورت کے حوالے سے متعارف کرانے کی سرگزشت کر رہے ہیں۔ فرمان نبویؐ کی روشنی میں نماز ترویج حصول اجر و ثواب اور مید نجات و معشرت کا ایک اصولی ذریعہ ہے جس کے ادا کرنے والے کے لیے غفر لہ ما تقدم من ذنبہ کی نبوی سند موجود ہے۔

لیکن بد قسمتی سے برصغیر پاک و ہند کے یہ ترویجی عہد مس فرنگی سرمرج کی رسوائی نہایت پالیسی ”لاؤ اور حکومت کرو“ کے تحت غیر مقدسین کے ذمہ لود فرماتے ہوئے حصول برکات کے اس دھندلے چکر میں بھی عنوان کارز اور بنا کر تفریق و امتیاز کی بجائے چڑھا دیا اور رمضان المبارک کے بارگاہ عظمت مہینہ میں رکھتے ترویج کے نام سے ایسا دھنگ کھڑا کر دیا کہ جس میں گناہ پانچ پابند سلاسل ہونے کا افسوس جاتا رہا کیونکہ رمضان المبارک میں بھی اس کی تحریک و تشویق و ترویج ہو کر گناہ کے سراغ لگے۔ یہ ایک مسئلہ اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ برصغیر کے فرنگی عہد کے قیام رکھتے ترویج کے عنوان پر بحث و مناظرے کے آثار کہیں بھی نظر نہیں آتے۔ تفریق و امتیاز کی اس بجلی میں جھوٹکے کے لیے سارا ایہ من فرنگی سامراج کا فراہم کر رہا ہے یعنی جس مسئلہ پر پوری امت مسلمہ کے اندر غیر حریفان

وحدت موجود تھی، اسے بھی متنازعہ بنا کر امت کی وحدت پارہ پارہ کر دی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
 زیر نظر رسالہ ”الکلام الفصح فی رکعات التراويح“ تقریباً دو سال قبل ترتیب دیا گیا تھا لیکن دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس پر نظر ثانی کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ مناظر اسلام، وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر ایکاڑوی نور اللہ مرقدہ اس کا بے ترتیب و منتشر مسودہ ملاحظہ فرما چکا تھے اور جلد اس کی اشاعت پر مصروف تھے لیکن قانون قدرت کے تحت وہ اس کی اشاعت تک اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور مطبوعہ حالت میں اسے ملاحظہ نہ فرما سکے۔ البتہ یہ چیز میرے لیے قابل مسرت و اطمینان ہے کہ اس رسالہ کا کثیر حصہ ان کی نظر سے گزر چکا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کی قبر پر اپنی ان گنت رحمتیں برسائے اور انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اس رسالہ میں اہل سنت والجماعت کے متواتر و متواتر نظریہ رکعات تراویح کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اپنے ناقص علم و فہم کے مطابق ہم نے بھرپور کوشش کی ہے کہ زیر بحث مسئلہ کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہ رہے اور ہر پہلو پر مدلل و ضروری بحث کر لی جائے۔ اس مقصد میں ہم کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں؟ یہ فیصلہ کرنا قارئین کرام کا کام ہے۔ بہر حال بشری کمزوریوں کے تحت رونما ہونے والی اغلاط اور کوتاہیوں پر ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں اور حضور الہی میں دعا گو ہیں کہ خدا تعالیٰ اس رسالہ کو جملہ اہل اسلام کی ہدایت و نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

خاکپائے احناف و تنگ اسلاف

عبدالحق خان بشیر

مدرسہ حیات النبیؐ، محلہ حیات النبیؐ، گجرات

باب اول

عہد نبویؐ کی جماعت تراویح اور مختلف نقطہ ہائے نظر

اہل سنت والجماعت کے عقائد و افکار کی روشنی میں احکامات شرعیہ کے بنیادی مآخذ صرف قرآن و سنت ہیں اور یہی دستور اسلامی کا ”سپریم لا“ ہیں۔ باقی تمام دلائل شرعیہ جزوی، ذیلی اور ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس اظہار حقیقت کے بعد یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ہمارا زیر بحث موضوع (قیام رمضان) قرآنی احکامات سے ہرگز متعلق نہیں بلکہ اس کا تمام تر انحصار سنت نبویؐ اور اس کے ذیلی دلائل (یعنی سنت خلفاء راشدینؓ، تعامل صحابہ کرامؓ اور اجماع امت وغیرہ) پر ہے اس لیے پہلے ہم عہد نبویؐ کی اس باجماعت نماز کا جائزہ لیں گے جو اس مسئلہ کی اساس و بنیاد ہے۔

سنت نبویؐ کی جماعت تراویح

اس بارے میں کتب احادیث کے اندر چار روایات مذکور ہیں۔ آئیے پہلے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ پورا مہینہ آپ نے (فرائض کے علاوہ) ہمیں کوئی نماز نہ پڑھائی۔ جب مہینہ ختم ہونے میں سات دن باقی رہ گئے تو آپ نے ہمیں ایک تہائی رات تک نماز پڑھائی۔ اگلی رات ہمیں نماز نہ پڑھائی۔ پانچ دن باقی رہ گئے تو آپ نے ہمیں نصف رات تک نماز پڑھائی۔ اگلی رات پھر نماز نہ پڑھائی۔ تین دن باقی رہ گئے تو آپ نے ہمیں اختتام سحری کے قریب تک نماز پڑھائی۔ پھر اس کے بعد نماز نہ پڑھائی۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۵۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۶۶۔ نسائی ج ۱ ص ۱۸۲۔ ابن ماجہ ص ۹۵)

(۲) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں رمضان

المبارک کی تیسویں شب کو تہائی رات تک، پچیسویں شب کو نصف رات تک اور ستائیسویں شب کو اختتام حری کے قریب تک نماز پڑھائی۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۸۲۔ قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۴)

(۳) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ماہ رمضان میں مسجد کے اندر کپڑے کا ایک خیمہ بنوایا اور رمضان المبارک میں کئی رات تک اس میں نماز پڑھی حتیٰ کہ لوگ بکثرت جمع ہو کر آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے۔ ایک رات لوگ بکثرت جمع ہوئے مگر آپ اپنے خیمہ سے باہر تشریف نہ لائے۔ لوگوں نے آوازیں بلند کیں اور خیمہ کے دروازہ پر کنکریاں پھینکیں تاکہ آپ باہر نکل کر نماز پڑھائیں۔ آپ غصہ کی حالت میں باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارا یہ عمل جاری رہا تو مجھے خطرہ ہے کہ یہ نماز تم پر کہیں فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اسے قائم نہ رکھ سکو۔ جاؤ اپنے گھروں میں جا کر یہ نماز پڑھو کیونکہ فرائض کے علاوہ تمہاری بہترین نماز وہی ہے جو گھروں میں ادا کی جائے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۱۔ مسلم ج ۱ ص ۲۶۶)

(۴) ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان کی ایک شب مسجد کے اندر نماز پڑھی اور چند صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ دوسری رات لوگ زیادہ جمع ہوئے اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ تیسرے یا چوتھے روز لوگ بکثرت جمع ہوئے مگر آپ باہر تشریف نہ لائے۔ صبح کے وقت لوگوں سے فرمایا، تمہارا حال مجھ سے پوشیدہ نہ تھا لیکن مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں یہ نماز بھی تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اسے قائم کرنے سے قاصر رہو۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۹۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۹۵)

یہی وہ باجماعت نماز نبوی ہے جسے قیام رمضان کا نام دیا گیا ہے اور قیام رمضان کی مسنون حیثیت عملی اعتبار سے اسی جماعت کے محور پر گھومتی ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ کی اقتدا میں یہ نماز پڑھی لیکن ان کے جوش عبادت میں شدت کی وجہ سے شفقت نبوت نے خوف فرضیت کی بنا پر ان کو اس باجماعت نماز سے منع فرمادیا کہ شاید بعد کی امت اسے قائم رکھنے سے قاصر رہے۔

سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

روایات صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق خوف فرضیت کی بنا

پر صحابہ کرامؓ نے اقتداء پیغمبرؐ میں تو قیام رمضان باجماعت ترک کر دیا لیکن انفرادی طور پر اور متفرق جماعتوں کی صورت میں اس نماز کا سلسلہ جاری رکھا چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

كان الناس يصلون في المسجد في رمضان اوزاعا یعنی صحابہ کرامؓ نولوں کی صورت میں مسجد کے اندر نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۵) امام بغویؒ اور علامہ عینیؒ لفظ اوزاع کا معنی متفرق جماعتیں کرتے ہیں۔ (شرح السنۃ ج ۲ ص ۱۱۹۔ عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۶) اور حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ وحاصله ان بعضهم كان يصلي منفردا وبعضهم يصلي جماعة یعنی عہد نبویؐ میں بعض صحابہؓ قیام رمضان انفرادی طور پر ادا کرتے اور بعض جماعت کرا لیتے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۲)

حضرت ثعلبہ بن مالک القرظی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

”ماہ رمضان کی ایک شب آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ کچھ لوگ مسجد کے کونے میں باجماعت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ کچھ لوگوں کو زیادہ قرآن پاک یاد نہیں، اس لیے وہ ابی بن کعبؓ کی اقتدا میں قرآن پاک سن رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، قد احسنوا۔ یہ اچھا کر رہے ہیں۔ یا فرمایا، قد اصابوا۔ یہ صحیح کر رہے ہیں۔ ولم یکرہ ذالک لہم اور ان کے اس عمل کو آپ نے ناپسند نہ فرمایا۔“ (معرفۃ السنن ولا آثار للبیہقی ج ۴ ص ۳۹)

یعنی عہد نبویؐ میں اقتداء پیغمبرؐ کی باجماعت نماز کا سلسلہ ختم ہونے کے باوجود قیام رمضان بھی جاری تھا اور صحابہ کرامؓ کے عمل کی صورت میں متفرق جماعتوں کا سلسلہ بھی موجود تھا جو آنحضرت ﷺ کے علم میں تھا اور آپ نے اس سلسلے کو ناپسند نہیں فرمایا جو آپ کی تقریری سنت ہونے کی دلیل ہے البتہ اس کی مسنون صورت متعین نہ ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کرامؓ یہ نماز انفرادی طور پر پڑھ لیتے اور بعض چھوٹی چھوٹی متفرق جماعتیں کرا لیتے۔

نوٹ: یہاں یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مذکورہ نماز میں رکعات کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی یہ نماز غیر متعین رکعات پر مبنی تھی ورنہ یہ بات ناقابل

فہم اور ناقابل تسلیم ہے کہ جماعت صحابہؓ کی کثیر تعداد ایک نماز کو مستقل طور پر ادا کرے اور اس نماز کی مسنون متعین رکعات ان کے حوالے سے منقول و مذکور نہ ہوں اور پھر بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کے خیمہ سے باہر تشریف نہ لانے پر آوازیں بلند کیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سورہ حجرات کی ان آیات کے نزول سے قبل کا ہے جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اپنی آواز بلند کرنے اور آپ کو حجرہ کے باہر سے آوازیں دینے کو اعمال ضائع ہونے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور خط اعمال کی یہ آیات قبیلہ بنو تمیم کے وفد کی آمد پر نازل ہوئیں جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حجرہ کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینی شروع کیں اور یہ وفد محرم الحرام ۹ ہجری میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ (سیرت المستطی ج ۳ ص ۷۴۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۸۵) جبکہ ۸ ہجری کا رمضان حضور علیہ السلام کا فتح مکہ کی مہم میں صرف ہوا اور ۱۱ ہجری کے ربیع الاول میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اس اعتبار سے اگر حضرت زید بن ثابتؓ کا واقعہ قیام رمضان ۷ ہجری میں بھی تسلیم کیا جائے تو بھی اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے عہد نبوی کے تین رمضان گزارے ہیں۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اگر قیام رمضان کی رکعات متعین ہیں تو ہر سال پورے شوق و اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کے باوجود صحابہ کرامؓ سے ان کی متعین رکعات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا؟

مختلف نقطہ ہائے نظر

سب سے پہلے زیر بحث مسئلے سے متعلق ان نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لینا ضروری ہے جو قیام رمضان کے بارے میں اب تک سامنے آچکے ہیں اور ہمارے ناقص مطالعہ کے مطابق وہ تین ہیں:

۱۔ لا نقطۃ فیہ : اس بارے میں پہلا نقطہ نظر جمہور اہل سنت والجماعت کا ہے جو قیام رمضان کو ایک مسنون اور مستقل عبادت قرار دیتے ہیں۔ کسی مستقل عبادت کی ثانوی یا غیر مستقل صورت تسلیم نہیں کرتے۔ زیر نظر رسالہ میں بحمد اللہ تعالیٰ اسی نقطہ نظر کی وضاحت و ترجمانی کی گئی ہے۔

۲۔ لا نقطۃ فیہ : اس بارے میں دوسرا نقطہ نظر عصر حاضر کے بعض غیر مقلدین کا ہے جو قیام رمضان کی مسنون حیثیت کو تو تسلیم کرتے ہیں (اگرچہ ان میں سے بعض اسے بدعت

وضالت بھی قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیلات آخری باب میں ملاحظہ فرمائیے (لیکن اس کی مستقل حیثیت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں یعنی نہ تو وہ روافض کی طرح اس کی مشروعیت سے انکاری ہیں اور نہ اہل سنت کی طرح اس کی مستقل حیثیت کے اقراری بلکہ ان دونوں کے درمیان اپنا ایک جداگانہ مسلک رکھتے ہیں کہ قیام رمضان اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ چنانچہ

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد اسماعیل سلمیٰ فرماتے ہیں کہ

”بعض لوگ تراویح اور تہجد کو الگ الگ دو نمازیں سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اس کی کوئی دلیل

حدیث سے نہیں ملتی۔“ (رسول اکرم کی نماز ص ۹۸)

ایک اور غیر مقلد محقق حکیم محمد صادق سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ

”حضور ﷺ جو تہجد اور وتر غیر رمضان میں نیند سے اٹھ کر پڑھتے تھے، رمضان میں وہی تہجد اور

وتر تراویح کے نام سے نیند سے قبل بعد عشاء پڑھ لیتے تھے۔“ (صلوٰۃ الرسول ص ۳۸۰)

حالانکہ تراویح بعد کی اصطلاح ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تراویح کے نام سے کبھی کوئی نماز نہیں پڑھی۔

قَبِيْرًا لِّتُكَلِّمَ الْوَسْطَى : اس بارے میں تیسرا نقطہ نظر روافض کا ہے جو باجماعت قیام

رمضان کو بدعت وضالت قرار دیتے ہیں چنانچہ روافض کی مستند کتب میں یہ صراحت موجود ہے کہ

”اے لوگو، رمضان کی راتوں میں نوافل کی جماعت اور اس کے لیے اجتماع بدعت ہے، گناہ ہے

اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔“ (من لا یحضرہ الفقیہ

ج ۲ ص ۸۸)

عصر حاضر کے منکرین حدیث بھی اسی تیسرے نقطہ نظر کے موید ہیں چنانچہ ان کے پیشوا مولوی عبد

اللہ چکڑالوی (جو پہلے غیر مقلد تھے، بعد میں ترقی کر کے منکر حدیث بن گئے) نے ایک رسالہ ”البیان

الصریح لاثبات کراہۃ التراویح“ کے نام سے تحریر کیا جس میں قیام رمضان کو بدعت وضالت ثابت

کرنے کی مذکورہ کوشش کی گئی۔

قَادِيَانِيْت، رَاْفِضِيْت اور شَيْخِ مَقْلَبِيْت كِي فِكْرِي وَحَدِث

اپنے اپنے مخصوص عقائد و نظریات کے اعتبار سے قادیانیت، رافضیت اور غیر مقلدیت تینوں

الگ الگ مکاتب فکر ہیں لیکن اہل سنت والجماعت بالخصوص احناف کے خلاف متعدد مقامات پر ان

تینوں کے درمیان بعض مسائل میں فکری وحدت و یک جہتی پائی جاتی ہے۔ انہی میں سے ایک فکر تہجد و تراویح کو ایک نماز قرار دینے کی ہے۔ روافض بھی تہجد و تراویح کو غیر مقلدین کی طرح ایک ہی نماز قرار دے کر اس کی گیارہ رکعات مانتے ہیں چنانچہ ان کی مستند کتب میں لکھا ہے کہ:

”عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادق سے قیام رمضان کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے

فرمایا کہ وہ سنت فجر اور وتر سمیت تیرہ رکعتیں ہیں۔“ (من لاسخضرہ الفقہ ج ۲ ص ۸۹)

اور روافض کے عصر حاضر کے امام آیت اللہ الخمینی لکھتے ہیں کہ پہلے آٹھ رکعات نماز تہجد کی نیت سے دو دو رکعت کر کے نماز صبح کی طرح پڑھیں گے، پھر دو رکعت نماز شفع کی نیت سے پھر ایک رکعت نماز وتر کی نیت سے پڑھیں گے۔ (آئین سعادت ص ۱۸۱)

بعینہ یہی نقطہ نظر قادیانیوں کا ہے جو ان کی فقہ حنفی کے خلاف لکھی گئی فقہ احمدیہ ص ۳۸ میں مذکور ہے

اور مرزا غلام احمد قادیانی کے عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتے ہیں کہ:

”ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ۱۸۹۵ء میں مجھے تمام ماہ رمضان قادیان

میں گزارنے کا اتفاق ہوا اور میں نے تمام مہینہ حضرت (مرزا قادیانی) صاحب کے پیچھے نماز

تہجد یعنی تراویح ادا کی۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ وتر اول شب پڑھ لیتے اور نماز تہجد ۸ رکعات آخر

شب میں ادا فرماتے۔“ (سیرت الہدی ج ۲ ص ۱۲) گویا

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا

آخر کو دونوں ہم در جاناں پہ جا ملے

کیا تہجد اور تراویح ایک ہی شے ہیں؟

مذکورہ تینوں نقطہ ہائے نظر میں سے اب ہم اس نقطہ نظر پر بحث کریں گے جو دلائل و براہین کی

روشنی میں صداقت پر مبنی ہے اور اس کی حقانیت روز روشن کی طرح واضح ہے اور وہ نقطہ نظر جمہور اہل سنت

والجماعت کا ہے جو تہجد اور تراویح کو دو الگ الگ اور مستقل نمازیں قرار دیتے ہیں۔ آئیے ان کے دلائل

ملاحظہ فرمائیے۔

﴿وَلَا يَجُزَّ أَنْ يَكُونَ فِيهِ مَسْئَلَةٌ﴾

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ قیام رمضان کا تعلق سنت نبوی سے ہے جبکہ تہجد خالص قرآنی مسئلہ

ہے۔ سورہ مزمل کی ابتدائی آیات اور سورہ بنی اسرائیل کی آیت فتنہ جد بہ نافلۃ لک اس پر صریح دلیل ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں۔

﴿وَمِنْ ذِٰلِكَ لَیْلُیْلٌ ۙ فَمَنْ جَعَلَ فَرَضَیْنِ ۚ فَمِنْ ذِٰلِكَ ۙ فَمَنْ جَعَلَ فَرَضَیْنِ ۚ﴾
 اوراق گزشتہ میں بصراحت گزر چکا ہے کہ قیام رمضان کا باجماعت سلسلہ خوف فرضیت کی وجہ سے ترک کیا گیا جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز تہجد ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ نماز تہجد کی زندگی میں کچھ عرصہ تک فرض رہ چکی تھی جس کے بعد اس کی فرضیت منسوخ کر دی گئی لہذا دوبارہ اس کی فرضیت کا اندیشہ نہ تھا چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ نے سورہ مزمل کی ابتدائی آیات میں قیام لیل فرض فرمایا۔ ایک سال تک آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے یہ فرض نماز ادا کی۔ ایک سال بعد سورہ کا آخری حصہ نازل ہوا جس میں تخفیف کا حکم آیا۔ فصار قیام اللیل تطوعا بعد فريضۃ تو قیام لیل کی فرضیت ختم ہو گئی اور وہ نفل ہو گیا۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۶۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۰)

مشہور تابعی حضرت سعید بن الجبیرؒ فرماتے ہیں کہ دس برس تک آپ اور صحابہ کرامؓ قیام کرتے رہے۔ دس سال بعد سورہ مزمل کا آخری حصہ نازل ہوا۔ (تفسیر مواہب الرحمن پارہ ۲۹ ص ۲۵۶)

جمہور ائمہ اہل سنت کے نزدیک ترتیب وحی کے اعتبار سے سورہ مزمل کی ابتدائی آیات کا نزول تیسرے نمبر پر ہوا۔ پہلے سورہ علق کی پہلی پانچ آیات، پھر سورہ فاتحہ اور پھر سورہ مزمل کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس اعتبار سے گویا بعثت نبوی کے فوراً بعد نماز تہجد فرض ہو چکی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق ایک سال بعد اور دیگر روایت کے مطابق پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی۔ مورخ اسلام حضرت مولانا علامہ سید محمد سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پہلے رات کی نماز دیر تک فرض تھی۔ بعد ازیں فاقراء واما تبیسر من القرآن کی آیت سے یہ منسوخ ہو گیا اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی۔ اس کے بعد نماز پنج گانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا۔“ (سیرت النبی ج ۲ ص ۶۹ حاشیہ)

گویا فرضیت کے ایک سال بعد وقت تہجد میں تخفیف ہوئی اور نماز پنج گانہ کے بعد مطلقاً اس کی فرضیت ختم کر کے اسے نفل بنا دیا گیا اور پانچ نمازیں واقعہ معراج میں فرض ہوئیں اور یہ واقعہ معراج

ایک ضلع فرہی کا ازالہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یا ایہا المزمحل کا نزول ہو تو لوگ قیام رمضان کی طرح قیام کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) بلکہ حضرت جابرؓ تو فرماتے ہیں کہ رات کو تہجد میں کھڑا ہوتا ہم پر ضروری کر دیا گیا تھا۔ ہم نے یہاں تک عبادت کی کہ ہمارے پاؤں متورم ہو گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رخصت اتاری۔ (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۱)

تیسری دلیل: ہمارے قریب پیغمبر پر فرض فرمایا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

” (اے پیغمبر ﷺ) رات کے ایک حصے میں نیند سے اٹھ کر قرآن کے ساتھ نماز تہجد پڑھا کر یعنی نماز تہجد میں بھی قرآن ہی پڑھا کر چونکہ تو امت کے لیے ایک نمونہ اور نقشہ ہے۔ تیری اطاعت ان پر واجب ہے۔ اس لیے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تہجد کی نماز کا حکم تجھ کو جو ہوا، تو سب امت پر تہجد کی نماز فرض ہوگئی۔ نہیں بلکہ یہ حکم تیرے حق میں اوروں سے زیادہ ہے۔ تیرے پر فرض ہے، اوروں پر فرض نہیں۔“ (تفسیر ثنائی ج ۲ ص ۲۱۰)

شاید اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ :
 ”اگر نیند یا کسی تکلیف کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد رہ جاتی تو آپ دن کے وقت اس کی قضا کرتے اور بارہ رکعات ادا فرماتے“ (نسائی ج ۱ ص ۱۸۲۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۰۰)

اب غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ :

- (۱) اگر نماز تہجد واقعی آپ پر فرض تھی تو قرآن پاک کی اصطلاحی نماز گیارہ ماہ اپنے اصل نام (یعنی تہجد) سے اور بارہویں مہینہ کسی دوسرے نام (یعنی قیام رمضان) سے کیونکر متعارف ہو سکتی ہے؟ کیا قرآن و سنت میں اس کی کوئی اور نظیر موجود ہے؟
- (۲) اور اگر نماز تہجد آپ پر فرض نہ تھی تو اس پر آپ کی مواظبت کی وجہ سے یہ سنت موکدہ کیوں نہیں؟ حالانکہ اہل سنت کے ہاں یہ مسلمہ قاعدہ موجود ہے کہ

جو امور فقط آنحضرت ﷺ کے واسطے خاص تھے (مثلاً ایک وقت میں چار سے زائد شادیاں، اور نیند کا ناقض وضو نہ ہونا وغیرہ) ان کو چھوڑ کر باقی امور میں دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ آپ پر فرض تھا اور امت پر صریح فرض نہیں کیا گیا تو وہ امت پر مستحب ہوتا ہے۔ اگر نہ کریں تو ملامت بھی نہ ہوگی۔ اور اگر وہ آپ پر نفل تھا جس کو برابر مد امت سے ادا کیا تو وہ امت کے واسطے موکدہ سنت ہے۔ نہ کریں تو ملامت کے قابل ہے۔ (تفسیر مواہب الرحمن پارہ ۲۹ ص ۲۵۴) اور علامہ ابن عابدین شامی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ تہجد کے سنت یا مستحب ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے کیونکہ فرامین پیغمبر ﷺ سے اس کا مستحب ہونا ظاہر ہوتا ہے اور آپ کی علی مواظبت اس کے سنت ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے اس لیے کہ جب کسی نفل عبادت پر آپ کی علی مواظبت ثابت ہو جائے تو وہ امت کے لیے سنت ہو جاتی ہے اسی لیے جو لوگ تہجد کو آپ کے حق میں فرض نہیں

مانتے، وہ اسے امت کے لیے سنت قرار دیتے ہیں اور جو لوگ اسے آپ کے لیے فرض مانتے ہیں، وہ اسے امت کے لیے مستحب قرار دیتے ہیں۔ (در مختار ج ۲ ص ۲۴) حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک آپ پر بھی تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی لہذا وہ آپ کے لیے بھی نفل ہے اور آپ کی مواظبت کی وجہ سے امت پر سنت موکدہ ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۶۸)

غیر مقلدین پر لازم ہے کہ وہ اس بات کی وضاحت کریں کہ قیام رمضان اگر تہجد ہی کا دوسرا نام ہے تو پھر مواظبت کی وجہ سے وہ تہجد و تراویح کو سنت موکدہ کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ تفصیلات آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ الشَّارِدِ

گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی عذر کی بنا پر اگر رات کو تہجد کی نماز رہ جاتی تو وہ دن کو بارہ رکعات ادا فرماتے۔ ہمارے ناقص فہم کے مطابق اس میں یہ بلیغ اشارہ موجود ہے کہ تہجد کی اصل رکعات بارہ ہیں۔ (جیسا کہ آئندہ اوراق میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ آپ نے بارہ سے زائد رکعات تہجد ادا نہیں کیں البتہ اس سے کم چار تک بھی آپ نے ادا فرمائی ہیں) لیکن صحت و حالات کی مناسبت سے آپ کو اس میں کمی کا اختیار دیا گیا البتہ قضا ہونے کی صورت میں آپ پوری بارہ رکعات ادا فرماتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ غیر مقلدین کو اس پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ قضا ہونے کی صورت میں بہر صورت بارہ رکعات ادا کرنا آٹھ رکعات کے یقینی ہونے کی صاف نفی کرتا ہے۔

• چوتھی ترمیمی دلیل: تَرْجِعْ كَأَوْقَاتِ بَيْتِ النُّومِ ۛ

احادیث صحیحہ کی روشنی میں تہجد کا وقت سو کر اٹھنے کے بعد ہے اور تراویح کا وقت نماز عشا کے بعد کا اور یہی جمہور اہل سنت کا نظریہ ہے چنانچہ:

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ بنام اولہ و یقوم آخرہ یعنی آنحضرت ﷺ اول شب نیند فرماتے اور آخر شب تہجد پڑھتے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۳) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ والنہجد بعد النوم (تفسیر ابن عباس ص ۱۸۱) حضرت شاہ ولی اللہ لکھیؒ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ تہجد کی سنتوں میں سے کہ نیند سے بیدار ہو کر ذکر کرے، مسواک کرے، وضو کرے اور گیارہ یا

تیرہ رکعات پڑھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۵۰۱) بعض غیر مقلدین کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ تراویح کا وقت عشا کی نماز کے بعد اول رات کا ہے اور تہجد کا آخر رات کا۔ (فتاویٰ علماء حدیث ج ۶ ص ۲۵۱)

سوال یہ ہے کہ جب دونوں نمازوں کے مسنون اوقات ہی الگ الگ ہیں تو دونوں کی شرعی حیثیت جدا جدا کیوں نہ ہوگی؟

﴿چوتھی دلیل﴾ دونوں کے ابواب جدا جدا ہیں

ائمہ محدثین نے کتب احادیث کے اندر تہجد اور قیام رمضان کے ابواب جدا جدا قائم کیے ہیں جو ان کے الگ الگ نمازیں ہونے کی دلیل ہیں۔ مثلاً

بخاری ج ۱ ص ۱۵۱ میں تہجد اور ص ۲۶۹ میں قیام رمضان، مسلم ج ۱ ص ۲۵۳ میں صلوٰۃ اللیل اور ص ۲۵۹ میں قیام رمضان، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۵ میں تہجد اور ص ۱۹۳ میں قیام رمضان، ترمذی ج ۱ ص ۹۹ میں تہجد اور ص ۲۵۹ میں قیام رمضان، نسائی ج ۱ ص ۱۸۱ میں تہجد اور ص ۱۸۲ میں قیام رمضان، ابن ماجہ ص ۹۴ میں تہجد اور ص ۹۵ میں قیام رمضان، موطا امام مالک ص ۹۵ میں قیام رمضان اور ص ۹۹ میں تہجد، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۵ میں تہجد اور ص ۱۱۳ میں قیام رمضان، موطا امام محمد ص ۱۱۷ میں تہجد اور ص ۱۳۸ میں قیام رمضان، قیام اللیل مردی ص ۱۵ میں تہجد اور ص ۱۵۱ میں قیام رمضان، بلوغ المرام ص ۸۳ میں صلوٰۃ التطوع اور ص ۱۵۲ میں قیام رمضان، ریاض الصالحین ص ۵۱۲ میں تہجد اور ص ۵۱۹ میں قیام رمضان کے ابواب قائم کیے گئے ہیں۔

اگر ائمہ حدیث کے نزدیک یہ ایک ہی نماز ہوتی تو وہ ہرگز ان کے الگ الگ ابواب قائم نہ کرتے اور حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین بھی تہجد و تراویح کو حقیقتاً وہی نمازیں سمجھتے ہیں کیونکہ اپنی کتب میں بھی وہ ان دونوں کے الگ الگ باب قائم کرتے ہیں مثلاً نواب نور الحسن خان غیر مقلد نے عرف الجادی میں اور مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ نے ”رسول اکرمؐ کی نماز“ میں دونوں کے الگ الگ باب قائم کیے ہیں۔

﴿چوتھی دلیل﴾ قرآن میں پیغمبر ﷺ

اگر آنحضرت ﷺ کے فرامین و ارشادات کی روشنی میں بھی دیکھا جائے تو قیام رمضان کا مستقل

نماز ہونا صاف معلوم ہوتا ہے چنانچہ:

فرمان نبویؐ ہے کہ کتب اللہ علیکم صیامہ و سنت لکم قیامہ (ابن ماجہ ص ۹۵۔ نسائی ج ۱ ص ۱۳۹) اس حدیث کی شرح میں امام کرمائی فرماتے ہیں کہ و سنت لکم قیامہ کا فرمان نبوی قیام رمضان کی سنیت پر دلالت کرتا ہے اور اس سے بالا جماع تراویح مراد ہے۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۵۷) دوسرے مقام پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: من صام رمضان وقام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه یعنی جس نے ایمان اور فکر صالح کے ساتھ رمضان کا قیام کیا اور رمضان کے روزے رکھے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے گئے۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۹)

یہ دونوں احادیث مبارکہ صاف اعلان کر رہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک روزے اور قیام دونوں رمضان کی مخصوص عبادات ہیں۔ پہلی من جانب اللہ فرض اور دوسری من جانب رسول سنت ہے۔ چونکہ نماز تہجد تو ترغیب پیغمبرؐ کی بنا پر صحابہ کرامؓ پہلے ہی ادا کر رہے تھے اس لیے اسے کسی نئے عنوان سے منسوخ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اسے اسی عنوان سے رمضان کے اضافی ثواب کے ساتھ متعارف کرایا جاسکتا تھا جیسے فرض نمازوں اور دیگر عبادات میں رمضان المبارک کے اضافی ثواب کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ نیز نماز تہجد کی نسبت جب قرآن پاک کے اندر خدا تعالیٰ کی طرف موجود ہے تو پھر صرف رمضان کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کو اس کی نسبت اپنی طرف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

﴿سَاقِیْنَ ذَیْلِیْلٍ﴾ سَیِّدُ رَسُوْلِیْ

فرامین پیغمبرؐ کے بعد اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں بھی ہمیں اس حقیقت کا جائزہ لینا ہے کہ کیا واقعی آپ کی رمضان اور غیر رمضان کی نماز ایک تھی یا رمضان کے اندر اس میں کوئی کمی بیشی رونما ہوتی تھی؟ چنانچہ حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ:

جب ماہ رمضان آتا تو تغیر لونہ آپ کا رنگ تغیر ہو جاتا۔ و کثرت صلوٰۃ اور آپ کی نماز میں اضافہ ہو جاتا۔ (شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۳۱۰) یجتهد فی العشر الاواخر ما لا یجتهد فی غیرہ۔ بقیہ ایام کی نسبت آخری عشرے میں آپ عبادت کے اندر زیادہ کوشش فرماتے۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۷۲)

یعنی غیر رمضان کی نسبت رمضان المبارک کے اندر آپ کی عبادت میں کثرت پیدا ہو جاتی اور

اسی کثرت صلوٰۃ کا نام زبان نبویؐ میں قیام رمضان اور اصطلاح شریعت میں تراویح ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ آپ رمضان میں دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ نماز پڑھتے باعتبار رکعت کے بھی اور باعتبار خشوع کے بھی۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۳۵۰) اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلدؒ فرماتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں (رمضان کی اضافی) رکعات کی تعیین نہیں آئی البتہ حدیث ما لا یجتہد فی غیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عددہا کان کثیرا یعنی رکعات کی تعداد بکثرت تھی۔ (الانقادر الخرج ص ۶۱)

نواب صاحب اس جگہ تین چیزوں کا برملا اعتراف فرما رہے ہیں:

- (۱) قیام رمضان مستقل نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تہجد و تراویح الگ الگ پڑھتے تھے۔ حوالہ آگے اپنے مقام پر آئے گا ان شاء اللہ۔ (۲) احادیث صحیحہ سے قیام رمضان کی رکعات ثابت نہیں۔ (۳) البتہ رکعات کی تعداد بکثرت تھی۔

اب غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر حدیث عائشہ صدیقہؓ (یزید فی رمضان ولا فی غیرہ) کو تہجد و تراویح دونوں پر محمول کیا جائے تو کثرت صلوٰۃ اور ما لا یجتہد فی غیرہ کی روایات عائشہؓ کا مطلب و مفہوم کیا ہوگا؟ کیونکہ بظاہر دونوں دوام پر دلالت کرتی ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب ہے کہ آپ رمضان و غیر رمضان میں ہمیشہ گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ان میں اضافہ نہ فرماتے۔ اور دوسری احادیث کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے اندر آپ کی نماز میں ہمیشہ کثرت پیدا ہو جاتی تھی۔ کیا غیر مقلدین ان روایات میں تطبیق پیدا کر سکیں گے؟ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہمارے موقف کے مطابق پہلی حدیث عائشہؓ رمضان و غیر رمضان کی نماز تہجد پر دلالت کرتی ہے اور دوسری روایات عائشہؓ قیام رمضان کی مستقل حیثیت پر لہذا دونوں الگ الگ اور مستقل نمازیں ٹھہریں۔

ذکر اللہ تعالیٰ

کثرت کا اطلاق یوں تو ایک عدد کی زیادتی پر بھی ہو جاتا ہے لیکن عرفاً اس کا اطلاق تقریباً دو گنا چیز پر ہوتا ہے۔ اس پہلو سے اگر دیکھا جائے تو آپ کے قیام اللیل کا معمول رات کے آخری تہائی حصہ میں تھا جس میں آپ عموماً گیارہ رکعات ادا فرماتے۔ چونکہ رمضان المبارک میں آپ کا معمول شب بیداری کا تھا اس لیے ایک تہائی کی گیارہ رکعات کے حساب سے تین تہائیوں کی تینتیس رکعات بتی

ہیں۔ تین وتر الگ کر کے فی تہائی دس رکعات رہ جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے غالباً آپ کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ پہلی دو تہائیوں میں بیس رکعات قیام رمضان اور آخری تہائی میں معمول کے تہجد کبھی گیارہ اور کبھی تیرہ ادا فرماتے۔ نواب صدیق حسن خان کا جملہ ان عدد دھا کان کثیر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

«ثَلَاثِينَ دَلِيلًا» صحیح مسلم فیہ کما فی القند

روایات صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عہد نبویؐ میں بھی تہجد وتر اوتح کو الگ الگ اور مستقل نمازیں تسلیم کرنے کا واضح تصور موجود تھا۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ

عہد نبویؐ میں ایک بار ہلال رمضان نظر نہ آیا تو فارادوا ان لا یصوموا ولا یقوموا۔ روزہ نہ رکھنے اور قیام نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اچانک وادی حرہ سے ایک اعرابی نے حاضر خدمت ہو کر چاند دیکھنے کی شہادت دی چنانچہ اس کے ایمان و اعتقاد کی تصدیق کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت بلالؓ نے اعلان کیا: ان یصوموا وان یقوموا۔ اوگوروزہ بھی رکھو اور قیام بھی کرو۔ (دارقطنی ج ۲ ص ۱۵۹)

یہ روایت بھی شہادت دیتی ہے کہ صیام رمضان کی طرح قیام رمضان بھی ہلال رمضان کے ساتھ مشروط ہے ورنہ آپ چاند نظر نہ آنے کی بنا پر قیام رمضان سے منع نہ فرماتے اور طلوع چاند کی اطلاع پر قیام رمضان کا اعلان نہ فرماتے۔ ممکن ہے غیر مقلدین حضرات اس روایت پر یہ اعتراض کریں کہ امام دارقطنی اس روایت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ ولم یقل فیہ ویقوموا غیر حماد یعنی اس روایت میں یقوموا کے الفاظ حماد کے علاوہ کسی سے منقول نہیں گویا یہ حیا کی زیادت ہے لیکن غیر مقلدین کا یہ اعتراض بایں وجہ ناقابل قبول ہوگا کہ حماد بن سلمہ باتفاق محدثین ثقہ راوی ہے اور ثقہ راوی کی زیادت باتفاق محدثین مقبول و معتبر ہے۔

«ثَلَاثِينَ دَلِيلًا» صحیح مسلم فیہ کما فی القند

مشہور صحابی رسول حضرت عقبہ بن عامرؓ (جو ہجرت رسول کے وقت مسلمان ہو کر دس سال خدمت رسول میں رہے اور ۵۸ ہجری میں وفات پائی) کے بارے میں امام محمد بن نصر مروزیؒ فرماتے ہیں کہ: لم یکن عقبہ بن عامر اذا رای الهلال رمضان یقوم تلک اللیلۃ حتی یصوم

یوما تم یقوم بعد ذالک یعنی حضرت عقبہ بن عامرؓ ہلال رمضان کو دیکھ کر اسی رات قیام رمضان نہ کرتے بلکہ دوسرے دن روزہ رکھنے کے بعد رات کو قیام کرتے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۶)

ممکن ہے وہ صوم کی فرضیت اور قیام کی سنیت کا لحاظ کرتے ہوئے فرض کو سنت پر مقدم کرتے ہیں جیسا کہ علامہ احمد بن علی المقریزیؒ (المتوفی ۸۴۵ھ) اسی روایت کے حاشیے میں فرماتے ہیں کہ :
 كانه رضى الله عنه لم يقم اول ليلة حذرا من تاخير ما هو احق واكد وهو الصوم لا فتراضه وتقديم ما هو دونه وهو القيام فقدم رمانا ما هو اقدم رتبة و آخر ما هو الاخر يعني وہ اس خیال سے روزہ کو قیام پر مقدم کرتے کہ روزہ فرض ہونے کے اعتبار سے مقدم ہے اور قیام فرض نہ ہونے کے اعتبار سے موخر۔ (قیام اللیل ص ۲۱۸ مطبوعہ اہل حدیث اکادمی فیصل آباد)

قطع نظر اس سے کہ قیام کو صوم سے موخر کرنے کی علت کیا تھی؟ یہ حقیقت واضح ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ جیسا جلیل القدر صحابی قیام رمضان کو رمضان ہی کی عبادت جانتا تھا۔
 تسويين دليل دو سو بیس صحابی کا عمل
 تہجد وتر اور تح کو الگ الگ نماز سمجھنے کی بنا پر صحابہ کرامؓ دونوں کو الگ الگ ہی ادا فرماتے تھے۔
 چنانچہ حضرت قیس بن طلحہؓ تابعی فرماتے ہیں کہ :

ہمارے والد طلق بن علیؓ (صحابی) ماہ رمضان میں ایک روز ہمارے گھر تشریف لائے۔ آپ نے روزہ افطار کیا اور رات کو ہمیں وتر سمیت نماز پڑھائی۔ پھر اپنی مسجد میں تشریف لے گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی لیکن وتروں کے لیے کسی اور کو آگے کر دیا اور فرمایا، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۳)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت طلق بن علیؓ نے اول شب گھر کے اندر وتر اور تح پڑھائی اور آخر شب مسجد کے اندر تہجد پڑھائی اور وتر اور تح کے ساتھ ادا فرمائے۔ ان کے اس عمل سے معلوم ہو گیا کہ وہ بھی تہجد اور وتر اور تح کو الگ الگ نماز ہی سمجھتے تھے اور الگ الگ ہی ادا کرتے تھے۔

ایک مثال کے طور پر اس کا جواب

عام طور پر غیر مقلدین یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عہد نبویؐ میں ایام ثلاثہ کی

باجاماعت نماز کے علاوہ آپ کا کوئی اور نماز پڑھنا ثابت نہیں لیکن ان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ۔

(۱) جس عمل کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی مداومت ثابت ہو چکی ہو، کیا اس کے لیے ہر روز کے عمل کا علیحدہ ثبوت تلاش کرنا صحیح اور ممکن بھی ہے؟..... (۲) ایام ثلاثہ میں اگر باجماعت نماز کے علاوہ کسی اور نماز کا ذکر موجود نہیں تو کیا یہ عدم ذکر عدم وجود پر دلیل بن سکتا ہے؟.....

(۳) ایام ثلاثہ کی پہلی شب میں آپ ایک تہائی رات تک اور دوسری شب میں نصف رات تک باجماعت نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ ان دونوں راتوں کے بقیہ حصے آپ نے کیسے گزارے؟ نیند میں یا عبادت میں؟ اگر عبادت میں گزارے تو وہ عبادت کون سی تھی؟ اگر وہ عبادت نماز تھی (جیسا کہ رات کی عبادت آپ کی نماز ہی ہوتی تھی) تو غیر مقلدین کا دعویٰ باطل اور اگر کوئی اور عبادت تھی تو احادیث صحیحہ سے اس کا ثبوت دیا جائے۔..... (۴) باقی رہی بات تیسری شب کی کہ اس میں باجماعت نماز اختتامِ محری کے قریب ختم ہوئی۔ کسی اور نماز کے پڑھنے کا وقت ہی نہیں بچا ہوگا تو اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں اختتامِ جماعت اور اختتامِ محری کے درمیانی وقت کی تعیین بتائی جائے تاکہ فیصلہ کیا جاسکے کہ اس میں نماز تہجد ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ پھر اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس درمیانی وقت میں آپ نے محری کھائی یا نماز پڑھی؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قلتِ وقت کی بنا پر نماز تہجد رہ گئی ہو جو آپ نے حسب معمول دن کو قضا کر لی ہو۔

غرضیکہ اگر اس کی تحقیق قیاس ہی کی بنیاد پر کرنی ہے تو قیاس غالب یہ کہتا ہے کہ آپ نے نماز تہجد ضرور ادا کی ہوگی جیسا کہ بعض غیر مقلدین بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ (تفصیلات آخری باب میں ملاحظہ فرمائیے) جہاں تک ہمارے موقف کا تعلق ہے تو قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتی فرماتے ہیں کہ:

”جناب رسول اللہ ﷺ کے فعل سے صراحتاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب آپ نے اول رات میں تین روز تراویح پڑھی تو اخیر وقت میں تہجد پڑھا یا نہیں؟ مگر فعل بعض صحابہؓ سے اس کا نشان ملتا ہے۔ اس حدیث (جو قیس بن طلحہ کے حوالے سے اوپر گزر چکی ہے۔ بشیر) سے معلوم ہوا کہ دونوں وقت میں نماز پڑھی گئی اور صحابہ کرامؓ اتباع رسول اللہ میں نہایت سرگرم تھے سو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے وقت میں تہجد پڑھا ہوگا۔“ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۶۱)

غور فرمائیے کہ ہمارا استدلال قول محض پر نہیں بلکہ عمل صحابی پر ہے۔

• مکیان حسن بدین دلیل •۔۔۔ ہم بھٹائی کا عمل

غیر مقلدین حضرات حدیث حضرت عائشہ (رضیدہ فی رمضان ولا فی غیرہ) کے حوالے سے یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ امام بخاری چونکہ اس حدیث کو تہجد کے باب میں لایا ہے اس لیے ان کے نزدیک بھی تہجد وتر اربعہ کی ایک ہی نماز ہے حالانکہ امام بخاری اس حدیث کو تہجد کے باب میں بھی لائے ہیں اور قیام رمضان کے باب میں بھی جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ اس کو رمضان و غیرہ رمضان دونوں میں تہجد پر ہی محمول کرتے ہیں اور اس پر ان کا پتہ غلط نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ :

”رمضان کی پہلی رات ہوتی تو امام بخاری اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے۔ نماز کی ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے یہاں تک کہ (اول شب کی نماز میں بیس کے بعد) ایک قرات پانچ عشر کرتے۔ پھر حرمی کے وقت تیرہ رکعات نماز (تہجد) پڑھتے اور اس میں ایک قرات تین راتوں میں مکمل کرتے۔ (حدی الساری لحافظ ابن حجر ص ۳۸۲۔ تیسرا ابوابی غواب وحید القوامان خان قیام ص ۳۹۔ نصرت الباری لمولوی عبدالستار مغل غائبے اہل حدیث ص ۱۲)

امام بخاریؒ کے اس عمل سے دو باتیں صاف ظاہر ہو جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ امام بخاریؒ حدیث عائشہ صدیقہؓ سے تہجد وتر اربعہ کو ایک ہی نماز برگزمراد نہیں لیتے ورنہ خود ان کا اپنا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا۔ دوسری یہ کہ وہ حدیث عائشہ صدیقہؓ (احدی عشر رکعة و رکعة) کو رکعات تہجد کے لیے بھی یقینی دلیل نہیں بناتے ورنہ وہ خود اس کے خلاف عمل کرتے ہوئے بارہ رکعات تہجد ادا نہ کرتے۔

• بار حسن بدین دلیل •۔۔۔ رکعات تہجد و تہجد

اگلے باب میں ہم اس پر ان شاء اللہ العزیز تفصیلی بحث کریں گے کہ فریقین (اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین) اس بات پر متفق ہیں کہ رکعات تہجد متعین نہیں جبکہ رکعات تراویح کی تعیین (بیس یا آٹھ) پر دونوں فریق متفق ہیں جو دونوں نمازوں کے الگ الگ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

• تہجد حسن بدین دلیل •۔۔۔ کثرت تہجد و تہجد

اگلے باب میں ہم ان شاء اللہ العزیز اس پر بھی بحث کریں گے کہ فریقین اس بات پر بھی متفق ہیں

کہ رکعات تہجد کی طرح کیفیت تہجد بھی متعین نہیں جبکہ تراویح کی کیفیت فریقین کے نزدیک متعین ہے یعنی دو دو رکعت کر کے ادا کرنا جو اس کے مستقل اور تہجد سے الگ نماز ہونے کی دلیل ہے۔

• چوتھوں فرقہ میں دلیل • اسلاف کے اقوال و اسرار

امام بخاریؒ کا عمل بیان ہو چکا ہے کہ وہ تہجد اور تراویح الگ الگ پڑھتے تھے۔ امام مالک بن انسؒ کے بارے میں امام ابن الحاجؒ فرماتے ہیں کہ:

امام مالکؒ نے فرمایا جبکہ آپ لوگوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے، کہ امام وتر پڑھاتا ہے تو میں نکل آتا ہوں، وتر ان کے ساتھ نہیں پڑھتا۔ پس امام مالکؒ اس بارے میں نمونہ ہیں کہ (تراویح کے بعد) وتر نہ پڑھے بلکہ اپنے گھر میں نفل (تہجد) پڑھنے کے بعد وتر پڑھے۔ میرے آقا ابو محمدؒ مسجد میں باجماعت تراویح کے بعد وتر پڑھتے اور گھر آ کر جتنی توفیق ہوتی نفل (تہجد) پڑھتے اور دوبارہ وتر نہ پڑھتے۔ اور فرماتے تھے کہ میرے شیخ ابوالحسنؒ زیات بھی ایسا ہی کرتے تھے۔
(المدخل لابن الحاج ج ۲ ص ۲۹۹ بحوالہ حدیث اور اہل حدیث ص ۶۸۲)

گویا اسلاف امت کے درمیان یہاں تک اختلاف واقع ہوا کہ وتر نماز تراویح کے ساتھ پڑھنے افضل ہیں یا نماز تہجد کے ساتھ؟ اگر وہ دونوں کو الگ الگ نمازیں نہ مانتے تو یہ اختلاف بھی واقع نہ ہوتا

چنانچہ

فقہ حنبلی کی مستند کتاب ”مقنع“ میں یہ صراحت مذکور ہے کہ ”رمضان میں میں رکعات نماز تراویح باجماعت پڑھنے کے بعد وتر بھی باجماعت ادا کرے۔ فان كان له تهجد جعل الوتر بعده لیکن اگر اس نے تہجد پڑھنے میں تو پھر وتر تہجد کے بعد پڑھے۔ (ج ۱ ص ۱۷۴) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح کے بعد باجماعت نوافل مکروہ ہیں کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تعقب (یعنی جماعت کے بعد جماعت) مکروہ ہے۔ حضرت انسؓ بھی اسے مکروہ جانتے تھے۔ پس تراویح کے بعد سو کر اٹھ کے نوافل و تہجد پڑھے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۰۴) قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح تہجد کے غیر ہے۔ تہجد کے پڑھنے سے تراویح سا قیظ نہیں ہوتی۔ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۹۵) تہجد و تراویح ہر دو صلوٰۃ جدا گانہ ہیں کہ ہر دو کی تشریح اور احکام جدا ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۵۳)

ان حوالہ جات سے بھی ظاہر ہے کہ فقہاء حنابلہ اور بالخصوص حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نزدیک بھی تہجد وتر اوتح الگ الگ نمازیں ہیں جن کے اپنے اپنے اوقات اور اپنے اپنے احکامات ہیں۔

”وَقَدْ تَرَكْتُ فِي هَذِهِ الْكِتَابِ * ثَلَاثَ مَوَاقِفَ الْقَوْلِ وَتَرْكُ

غیر مقلدین کے اپنے اسلاف میں سے نواب صدیق حسن خان، نواب وحید الزمان خان، مولانا میاں نذیر حسین دہلوی، اور مولانا ثناء اللہ امرتسری جیسے علما بھی تہجد وتر اوتح کو جدا جدا نمازیں تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تفصیلات آخری باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

اِبْرَک شَاہِ دُہلَوِی کا اِنْشَاء

اسلاف دیوبند میں سے حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تہجد وتر اوتح کو ایک ہی نماز قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اس لیے کہ وہ حدیث عائشہؓ سے قیام رمضان کا استدلال کرنے کے باوجود وتر اوتح کی بیس رکعات مسنون قرار دیتے ہیں اور گیارہ رکعات کے قائلین کو بدعتی کہتے ہیں۔ (تفصیلات آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیے) چنانچہ شاہ صاحبؒ کے داماد اور شارح بخاریؒ حضرت مولانا سید احمد رضا بخجوریؒ فرماتے ہیں کہ :

میں نے سوال کیا کہ اس حدیث (عائشہؓ) سے تو آٹھ تر اوتح ثابت ہوتی ہیں تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ خلفاء راشدینؓ کی سنت آیا سنت نبویؐ ہے یا نہیں؟ نبی کے فرمان کے مطابق خلفاء راشدینؓ کے عمل کو دیکھا جائے اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے تاکہ اختلاف رفع ہو جائے..... جب روایات متعارض آ رہی ہیں تو کیوں نہ خلفاء راشدینؓ کے تعامل پر عمل کیا جائے۔“ (ملفوظات محدث کشمیری ص ۳۶۴)

گویا علامہ کاشمیریؒ حدیث عائشہؓ کے علاوہ عہد نبویؐ کے قیام رمضان کی دیگر روایات کو بھی درست اور صحیح مانتے ہیں اسی لیے تو ان میں تعارض تسلیم کرتے ہیں۔ نیز وہ خلفاء راشدینؓ کا عمل بیس تر اوتح تسلیم کرتے ہیں اور اسی کو حجت مانتے ہیں اور پھر ان کے تہجد وتر اوتح کو ایک قرار دینے کے موقف کی تائید اسلاف دیوبند میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔

لطیفہ

غیر مقلدین شاہ صاحبؒ کا یہ حوالہ نقل کر کے بڑے جذباتی انداز میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس

حوالے سے احناف کی کمر ٹوٹ گئی حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ احناف فقہ حنفی کے مقلد ہیں، شاہ صاحب کے مقلد نہیں۔ اس لیے ان کی کمر کو الحمد للہ کوئی فکر نہیں کیونکہ ان کے دامن میں شاہ صاحب کے سوا بھی بہت کچھ موجود ہے۔ البتہ غیر مقلدین کو اپنی نرم و نازک کمر کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ ان کے دامن تحقیق سے نواب صدیق حسن خان، نواب وحید الزمان خان، مولانا میاں نذیر حسین دہلوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کو نکال دیا جائے تو پیچھے پچتا ہی کیا ہے؟ اس لیے غیر مقلدین کو ہمارا یہ ہمدردانہ مشورہ ہے کہ وہ ہماری مضبوط و محفوظ کمر کی فکر کرنے کے بجائے اپنی بل کھاتی نازک سی کمر کے نوٹے ہوئے مہروں کو جوڑنے کی کوئی سبیل کریں۔

کیا ان قدر اور قدر چلتا ایک ہی فسان کے دو نام ہیں؟
یہاں ہم اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ جس طرح تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں اسی طرح وتر اور تہجد بھی دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ جمہور اہل سنت و الجماعت کے نزدیک وتر ایک مستقل نماز ہے جو نماز عشا سے بھی الگ ہے اور نماز تہجد سے بھی جدا یعنی نہ وہ نماز عشا کا حصہ ہے اور نہ نماز تہجد کا۔ اس کا وقت نماز عشا کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے البتہ آنحضرت ﷺ چونکہ اکثر و بیشتر اسے نماز تہجد کے آخر میں ادا فرماتے تھے اور امت کو بھی یہ ترغیب دیتے تھے کہ اجعلوا آخر صلواتکم باللیل وترا۔ اپنے قیام لیل کو وتر بناؤ یعنی وتر تہجد کے آخر میں ادا کرو۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۷) اس لیے کتب احادیث کے اندر نماز تہجد کو صلوة الوتر بھی کہا گیا ہے حالانکہ نماز وتر نماز تہجد کا حصہ ہرگز نہیں۔ آئیے اس کے دلائل ملاحظہ فرمائیے۔

دلایل اولیٰ: آنحضرت ﷺ نے اکثر و بیشتر نماز وتر نماز تہجد کے ساتھ ادا کی ہے لیکن بس اوقات نماز تہجد کے علاوہ بھی ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اوتر رسول اللہ ﷺ من اول اللیل و اوسطہ و آخرہ یعنی آنحضرت ﷺ نے نماز وتر کبھی اول شب ادا فرمائی، کبھی وسط شب اور کبھی آخر شب میں۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۵۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۳۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳) دوسرے مقام پر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ من کل اللیل قد اوتر رسول اللہ ﷺ یعنی آپ نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳۶۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۵) اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا: الوتر ہی بین صلوة العشاء الی طلوع الفجر۔ وتر کا وقت عشا کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔ (ابن ماجہ ص ۸۳)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نماز وتر کو مستقل اور علیحدہ نماز قرار دیتے تھے۔

دلیل دوم: آنحضرت ﷺ نماز وتر کی ایسی ترغیب دیتے تھے جو نماز تہجد کی نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ نے تین بار فرمایا: الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔ وتر حق ہیں، جو وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱) ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا: ان الله وتر يحب الوتر فاوتروا یا اهل القرآن۔ اے قرآن کو ماننے والو، اللہ وتر ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے پس تم وتر پڑھا کرو۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۰۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳۔ ابن ماجہ ص ۸۳) ایک اور روایت میں فرمایا کہ من نام عن الوتر او نسیه فلیصل اذا ذكره اذا استيقظ۔ اگر نیند یا نسیان کی وجہ سے کسی کے وتر نہ جائیں تو وہ یاد آنے پر یا بیدار ہونے پر ادا کرے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۶۔ ابن ماجہ ص ۸۴) یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ کان النبی ﷺ من اللیل فاذا اوتر قال قومی فاوتری یا عائشة۔ جب آنحضرت ﷺ نماز تہجد سے فارغ ہو کر نماز وتر پڑھنے لگتے تو مجھے جگاتے اور فرماتے، عائشہ اٹھو وتر پڑھو۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳۶۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۵) ان روایات سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وتر، تہجد سے الگ ایک مستقل نماز ہے۔

دلیل سوم: آنحضرت ﷺ نے امت کو وتر نماز تہجد کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب ضرور دی لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ من خاف ان لا یقوم آخره و لیوتر اوله ومن طمع ان یقوم آخره فلیوتر آخر اللیل۔ جسے اندیشہ ہو کہ بحری کے وقت نہ اٹھ سکے گا وہ اول شب وتر پڑھ کر سوائے اور جسے امید ہو کہ وہ بحری کے وقت بیدار ہو سکے گا پس وہ وتر آخرات میں پڑھے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۸۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳۔ ابن ماجہ ص ۸۴) یہ روایت بھی دلیل ہے اس بات کی کہ وتر ایک مستقل نماز ہے۔

دلیل چہارم: آنحضرت ﷺ نے بعض صحابہؓ کو حکم اور بعض کو وصیت فرمائی کہ وتر رات کو سونے سے پہلے پڑھو چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اوصانی خلیلی بثلاث: صیام ثلاثة ایام من کل شهر و رکعتی الضحیٰ و ان اوتر قبل ان انام۔ میرے خلیل آنحضرت ﷺ

نے مجھے وصیت کی تین چیزوں کی: ہر ماہ تین روزے رکھنے کی، چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے کی اور سونے سے قبل وتر پڑھنے کی۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۰ نسائی ج ۱ ص ۱۸۹) بخاری ج ۱ ص ۱۳۵ میں ہے: اوصانی رسول اللہ ﷺ بالوتر قبل النوم اور ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳ کے اتفاق ہیں: اصرنی رسول اللہ ﷺ ان اوتر قبل ان انام۔ اسی طرح مذکور تین چیزوں کی وصیت کی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۳ میں بھی مذکور ہے۔ بلکہ بعض روایات میں تو آپ نے وتر پڑھے بغیر سونے سے منع فرمایا جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں کہ: انھن فی ان انام الا علی وقر۔ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وتر پڑھے بغیر سونے سے منع فرمایا۔ (قیام اللیل لعمروزی ص ۲۸) ان روایات سے بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک مستقل نماز ہے۔

دلیل پنجم: آنحضرت ﷺ کے اسی حکم و وصیت کی بنیاد پر صحابہ کرامؓ اور دیگر اسلاف امت کا وتر پڑھنے کا معمول مختلف تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ آپ وتر کس وقت پڑھتے ہیں۔ عرض کیا، سونے سے پہلے۔ آپ نے فرمایا: آپ احتیاط پکھل کرتے ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں سونے کے بعد صبحی کے وقت اٹھ کر پڑھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم نے عمل قوی اختیار کیا۔ (قیام اللیل ص ۲۷) حضرت سعید بن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ میں تسبیح پڑھنے کے باوجود ہر رات کو پڑھتے تھے اور میں بھی رات کو سونے سے پہلے وتر پڑھتا ہوں۔ (قیام اللیل ص ۲۸) حضرت فاروق اعظمؓ نے عمل قوی اختیار کرنے کے باوجود فرماتے تھے کہ ان الا کیس الذین یوترون لول اللیل وان الاقرباء الذین یوترون آخر اللیل وهو افضل۔ یعنی نزدیک ترین رات میں یوقیوں اور آخر رات میں پڑھ سکتے ہیں۔ (ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۳) حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت بن قیسؓ سے فرمایا: اے اشعث احفظ عنی شینا سمعہ من رسول اللہ ﷺ: آنحضرت ﷺ سے بنی ہوئی کچھ چیزیں مجھ سے محفوظ کر لے۔ (ان میں سے ایک یہ ہے: لولا تسامی الا علی وقر۔ ہر پڑھے بغیر سونا نہیں۔) (قیام اللیل ص ۲۸) چنانچہ لامشععی بھی رات کو وتر پڑھ کے سوتے تھے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳) اور امام ترمذی تو فرماتے ہیں: وقد احسار قوم من نعل النعل من اصحاب النبی ومن

بعدهم ان لا ینام الرجل حتی یوتر کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد کے دیگر اہل علم کی ایک جماعت نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ آدمی وتر پڑھے بغیر نہ سوئے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳) ان روایات سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وتر ایک مستقل نماز ہے جو تہجد کے ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہے اور رات کو سونے سے پہلے عشا کی نماز کے بعد بھی۔

دلیل شہد: نماز وتر کے بارے میں فقہاء اربعہ کا مستقل فتویٰ موجود ہے۔ چنانچہ علامہ عبد الرحمن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ نماز وتر تین ائمہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک سنت موکدہ ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۳۳۵)

دلیل شہد: ائمہ محدثینؒ نے اپنی اپنی کتب احادیث میں کتاب الوتر کے نام سے مستقل ابواب قائم کیے ہیں چنانچہ امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اس موضوع پر جو مستقل کتاب قیام اللیل کے نام سے تالیف فرمائی ہے، اس میں انہوں نے قیام اللیل، قیام رمضان اور کتاب الوتر کے نام سے الگ الگ ابواب باندھے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں الگ الگ اور مستقل نمازیں ہیں۔

باب دوم

عہد نبویؐ کی رکعات تراویح

اوراق گزشتہ میں ہم بدلائل قاہرہ ثابت کر چکے ہیں کہ تہجد و تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں اور وتر ان دونوں سے الگ ایک تیسری مستقل نماز ہے۔ اب ہم اس باب میں رکعات تراویح کے لیے فریقین کی طرف سے پیش کی جانے والی روایات کا جائزہ لیں گے جو اصولی طور پر تین ہیں۔ لیجیے ملاحظہ فرمائیے۔

”ہذا لیسو روایت“ حلیہ ثانیۃ ص ۱۱۱

تہجد و تراویح کو ایک نماز اور اس کی گیارہ رکعات ثابت کرنے کے لیے غیر مقلدین کا سب سے بڑا استدلال حدیث عائشہ صدیقہؓ سے ہے لہذا ہم سب سے پہلے اسی کا جائزہ لیں گے کہ کیا یہ حدیث غیر مقلدین کی دلیل بن سکتی ہے؟

حضرت ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رمضان المبارک میں آنحضرت ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا، رمضان اور غیر رمضان میں آپ گیارہ رکعات سے زائد نہ پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعت پڑھتے۔ تو ان کے حسن ادا نگئی اور طول قیام و سجود کے بارے میں نہ پوچھ۔ پھر چار رکعت اسی طرح پڑھتے، پھر تین رکعت پڑھتے۔ میں نے سوال کیا: اتنا قبل ان تو تر؟ یا رسول اللہ، کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ فرمایا، میری آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۴۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۹۔ نسائی ج ۱ ص ۱۹۱)

ہمارا موقف یہ ہے کہ اس حدیث سے نہ تہجد و تراویح کا ایک ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ حتمی طور پر اس کی گیارہ رکعات ثابت ہوتی ہیں۔ آئیے غیر مقلدین کے دعوے کے جوابات ملاحظہ فرمائیے۔

”جواب اول: سنن ابی داؤد: مذکورہ حدیث عائشہؓ کے سیاق کلام پر اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ روایت صرف تہجد کے متعلق ہے، قیام رمضان سے اسے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

﴿پہلا قرینہ﴾ اس کا پہلا قرینہ سائل کا حضرت عائشہؓ سے سوال ہے اور ان سے اسی نماز کے بارے میں سوال کیا جاسکتا ہے جو ان کے حجرے میں پڑھی گئی۔ مسجد کی نماز کے بارے میں ان سے سوال چہ معنی دارد؟ جبکہ اس وقت ایام ثلاثہ کی باجماعت نماز میں شرکت کرنے والے بے شمار صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ گویا سائل حضرت عائشہؓ سے ان کے حجرے کے اندر ادا کی جانے والی نماز کے بارے میں سوال کر رہا ہے کہ وہ کیسی تھی؟ اور صحابہ کرامؓ اسی نماز کے بارے میں حضرت عائشہؓ کو سب سے زیادہ باخبر سمجھتے تھے۔ چنانچہ:

سعد بن ہشامؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے آنحضرت ﷺ کے وتر (یعنی نماز تہجد) کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کیا میں تجھے ایسی ہستی کی خبر نہ دوں جو روئے زمین پر آپ کے وتر کو سب سے زیادہ جاننے والی ہے؟ انہوں نے پوچھا، وہ کون سی ہے؟ فرمایا حضرت عائشہؓ چنانچہ سعد حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے آپ کے وتر کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا، آپ گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ضعف آ گیا تو نور کعات پڑھنے لگے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۶ ملخصاً)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضور علیہ السلام کی نماز تہجد کے بارے میں ہی سب سے زیادہ باخبر جانتے تھے اور اسی کے بارے میں ان سے سوال کرتے تھے، خواہ وہ رمضان کی ہوتی یا غیر رمضان کی؟

﴿دوسرا قرینہ﴾ اس کا دوسرا قرینہ حضرت عائشہؓ کے جواب میں ”بزیّد فی رمضان ولا فی غیرہ“ کے الفاظ ہیں جو اس حقیقت کی واضح دلیل ہیں کہ وہ اسی نماز کا ذکر کر رہی ہیں جو رمضان وغیر رمضان میں ان کے سامنے پڑھی گئی اور سائل کا مقصد سوال بھی یہی ہے کہ رمضان میں اول شب کی نماز کے بعد آخر شب کی نماز حسب معمول رہتی تھی یا اس میں فرق آتا تھا؟ اس کے جواب میں فرمایا، وہ

عموماً گیارہ رکعات ہی رہتی تھیں۔

﴿تیسرا قرینہ﴾ اس کا تیسرا قرینہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے جواب میں ”اتنم قبل ان توتر“ کے اضافی جملے ہیں جو بصراحت نماز تہجد پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ رکعات تو رمضان وغیرہ رمضان دونوں کی بیان فرما رہی ہیں لیکن کیفیت صرف غیر رمضان کی ذکر کر رہی ہیں کیونکہ رمضان کے بارے میں تو وہ خود فرماتی ہیں کہ ”جب ماہ رمضان آتا تو آپ عبادت کے لیے کمر بستہ ہو جاتے اور پورا ماہ رمضان بستر پر تشریف نہ لاتے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۳۱۰)

جب رمضان المبارک میں آپ رات کو آرام فرماتے ہی نہ تھے تو اتنم قبل ان توتر کا سوال کیا؟ معلوم ہوا کہ یہ صرف نماز تہجد کا ذکر ہے جو رمضان وغیرہ رمضان دونوں میں پڑھی جاتی رہی البتہ کیفیت صرف غیر رمضان کی ذکر کی گئی ہے۔

﴿جواب ۴۴﴾ چار چار رکعات : مذکورہ حدیث عائشہؓ میں چار چار رکعات پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ نماز تراویح بالاتفاق دو دو رکعات کر کے پڑھی جاتی ہے جو اس کے مستقل نماز ہونے کی دلیل ہے۔

﴿جواب ۴۵﴾ چار چار رکعات : اس میں بلاجماعت نماز کا ذکر ہے جبکہ باجماعت نماز کی روایت میں خود حضرت عائشہؓ رکعات کا ذکر نہیں کرتیں (روایت گزر چکی ہے) جو دونوں کے الگ الگ نمازیں ہونے کی دلیل ہے۔

﴿جواب ۴۶﴾ گھڑی میں : اس میں گھر کے اندر نماز پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ مسجد کی نماز کے بارے میں اپنی روایت کے اندر حضرت عائشہؓ رکعات کا ذکر نہیں کرتیں۔

﴿جواب ۴۷﴾ کتاب النہج میں : یہ حدیث اکثر محدثین نے اپنی کتب کے اندر کتاب التہجد میں نقل کی ہے جبکہ حضرت عائشہؓ کی باجماعت نماز والی روایت قیام رمضان کے باب میں لائے ہیں۔

﴿ایک ضابطہ ذہنی کا ان لک : بعض غیر مقلدین یہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام محمد بن حسن الشیبانی الحنفیؒ نے یہ حدیث عائشہؓ قیام رمضان کے باب میں نقل کی ہے جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس حدیث کو قیام رمضان پر ہی محمول کرتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔
 اولاً اس لیے کہ امام محمدؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد اور فقہ حنفی کے مجتہد فی المذہب ہیں۔ بے شمار
 مسائل میں انہوں نے امام اعظم سے اختلاف کیا ہے جو فقہ حنفی کی جملہ کتب میں مذکور و منقول ہے لیکن
 اس مسئلے میں ان کا اپنے امام سے اختلاف کسی جگہ مذکور نہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس مسئلے میں
 اپنے امام سے متفق ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہؒ تو بیس رکعات نماز تراویح کو مستقل حیثیت سے سنت نبوی
 مانتے ہیں۔

دو ثانیاً اس لیے کہ امام محمدؒ نے اپنی موطا میں صلوٰۃ اللیل اور قیام رمضان کے الگ الگ باب قائم
 کیے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دونوں نمازوں کو الگ الگ تسلیم کرتے ہیں۔

وثالثاً اس لیے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے گیارہ رکعات والی دو روایات نقل کی ہیں۔ ایک
 صلوٰۃ اللیل کے باب میں عروہ بن زبیرؓ سے اور دوسری قیام رمضان کے باب میں ابوسلمہؓ سے۔ اس سے
 بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ گیارہ رکعات کو رمضان وغیر رمضان میں تہجد کے لیے ہی مانتے ہیں۔

ورابعاً اس لیے کہ انہوں نے قیام رمضان کے باب میں حضرت عائشہؓ سے باجماعت قیام
 رمضان اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے ترغیب قیام رمضان بلا عزیمت کی روایات بھی نقل کی ہیں
 جس سے ظاہر ہے کہ وہ زیر بحث حدیث عائشہؓ کو رمضان میں تہجد ہی کے لیے لائے ہیں۔ یہ قرآن
 و شواہد اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ امام محمدؒ نہ تو تہجد و تراویح کو ایک نماز سمجھتے ہیں اور نہ حدیث عائشہؓ کو
 تراویح پر محمول کرتے ہیں۔

«حسن اب شاذان» رشتہ دار ہیں کثرت صلوٰۃ : قیام رمضان کے بارے
 میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کثرت صلوٰۃ اور ما لا یجتہد فی غیرہ کی روایات گزشتہ اوراق
 میں گزر چکی ہیں۔ جبکہ زیر بحث حدیث عائشہؓ صرف تہجد پر دلالت کرتی ہے۔

«حسن اب شاذان» رشتہ دار ہیں کثرت صلوٰۃ : قیام رمضان کے بارے
 میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کثرت صلوٰۃ اور ما لا یجتہد فی غیرہ کی روایات گزشتہ اوراق
 میں گزر چکی ہیں۔ جبکہ زیر بحث حدیث عائشہؓ صرف تہجد پر دلالت کرتی ہے۔

مذکورہ حدیث عائشہؓ کو بالفرض تہجد و تراویح پر محمول کر بھی لیا جائے تو بھی اس کی اضطرابی کیفیت کی بنا پر
 اس سے رکعات و کیفیت کی تعیین ممکن نہیں کیونکہ اس بارے میں حضرت عائشہؓ سے مروی روایات باہم

معارض و مضطرب ہیں۔ ان میں قرار موجود نہیں۔ (اضطرابی کیفیت سے لغوی معنی مراد ہے، محدثین کا اصطلاحی مفہوم اس سے مراد نہ لیا جائے جو ضعف روایت پر دلالت کرتا ہے)

«الاضطرار ہی کی کیفیت کا پورا پورا پہلو ہے» اختلاف رکعات: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی مختلف روایات کی روشنی میں رکعات تہجد کی تعیین انتہائی مشکل و دشوار ہے کیونکہ ان سے مروی روایت میں رکعات کا اختلاف واضح طور پر موجود ہے مثلاً

(۱) تیرہ رکعات: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ یصلی باللیل ثلاث

عشرة رکعة۔ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے۔ ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفین۔ پھر اذان فجر کے بعد دو ہلکی رکعتیں پڑھتے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۶۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۹۔ ابن ماجہ ص ۹۸) تیرہ رکعات تہجد کی روایات حضرت ابن عباسؓ سے نسائی ج ۱ ص ۲۱۴ میں، حضرت سیدہ میمونہؓ سے بخاری ج ۱ ص ۱۳۵ میں اور حضرت زید بن خالد الجہنیؓ سے ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۳ میں بھی منقول ہیں اسی لیے مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ غیر مقلد تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۷ میں، مولانا عبداللہ غازی پوریؒ غیر مقلد فتاویٰ علمائے حدیث ج ۲ ص ۲۱۱ میں اور مولانا محمد اسماعیل سلطیؒ ”رسول اکرمؐ کی نماز“ ص ۱۰۱ میں تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے سنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعت پڑھنا ثابت ہے حتیٰ کہ نواب صدیق حسن خانؒ غیر مقلد تو تہجد بالالتزام بارہ رکعات پڑھتے تھے۔ (مآثر صدیقی ج ۳ ص ۶۴)

(۲) گیارہ رکعات: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کان یصلی من اللیل إحدى عشرة

رکعة آپ رات کو گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۳۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۰۰)

(۳) نو رکعات: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کان یصلی من اللیل تسع رکعات۔

آپ رات کو نو رکعات پڑھتے تھے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۹۳۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۱)

(۴) سات رکعات: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فلما اسن وثقل صلی سبعا۔ جب

آپ عمر رسیدہ ہو کر گرانی محسوس کرنے لگے تو رات کو سات رکعات پڑھتے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۹۲)

مذکورہ روایات عائشہؓ کے مطابق آپ کے قیام لیل یا بالفاظ غیر مقلدین قیام رمضان کی رکعات

مختلف تھیں تو گیارہ رکعات تراویح کی تعین کے لیے حدیث عائشہؓ کیسے دلیل بن سکتی ہے؟

رکعات ذرہ جہل اور اقوال سلف : مختلف روایات میں رکعات تہجد کے اسی اختلاف کی بنا پر قاضی ابوالفضل عیاض اندلسی المالکیؒ فرماتے ہیں کہ رکعات تہجد کی ایسی کوئی حد مقرر نہیں جس میں کمی بیشی ممکن نہ ہو۔ ان صلوة اللیل من الطاعات التی کلما زاد فیہا زاد الاجر - یہ نفلی عبادت ہے۔ جتنی زیادہ پڑھیں، اتنا ہی زیادہ اجر ہے۔ (نودی ہامش مسلم ج ۱ ص ۲۵۳) علامہ عبد الرحمن ابن الجوزیؒ حلبیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے تہجد کی مختلف روایات وارد ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں۔ بعض اوقات آپ کی رکعات کم اور قراءت لمبی ہوتی اور بسا اوقات آپ قراءت مختصر کر کے رکعات بڑھا لیتے۔ (الوفاء مترجم ص ۵۵۴) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ لکھنؤیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے تہجد کی مختلف رکعات نقل کی گئی ہیں جو مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں۔ وقت میں گنجائش زیادہ ہوئی تو زیادہ پڑھ لیں ورنہ کم پڑھ لیں۔ کوئی خاص تحدید تہجد کی رکعات میں ایسی نہیں جس سے کم و بیش جائز نہ ہو۔ (خصائص نبوی شرح شامل ترمذی ص ۲۲۰)

رکعات ذرہ جہل اور اقوال شیخین و مقلدین : غیر مقلدین کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ان کے اپنے اسلاف بھی رکعات تہجد کی تعین نہیں مانتے چنانچہ نواب وحید الزمان خان فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن قیمؒ نے وتر سمیت رکعات تہجد کی آٹھ قسمیں ذکر کی ہیں۔ وہی کلہا کافیہ مطابقة للسنة۔ وہ ساری کفایت کرنے والی اور سنت کے مطابق ہیں۔ (نزل الابراج ص ۱۲۲۔ کنز الحقائق ص ۳۰) مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً متعدد احادیث مروی ہیں جن میں رکعات (تہجد) کی تعداد چھ، سات، نو، گیارہ، تیرہ تک مروی ہے۔ وقت اور ہمت کے لحاظ سے جس قدر پڑھ سکے، شرعاً درست ہے۔ (رسول اکرم کی نماز ص ۹۶)

مذکورہ روایات، اقوال سلف اور اقوال غیر مقلدین کی روشنی میں تہجد کی تین صورتیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) وقت پر موقوف : پہلی صورت یہ ہے کہ رکعات تہجد کا انحصار وقت پر تھا۔ اگر وقت زیادہ ملا

تو آپ نے رکعات زیادہ پڑھ لیں اور اگر وقت کم ملا تو رکعات کم پڑھ لیں۔ (۲) کیفیت پر

موقوف: دوسری صورت یہ ہے کہ رکعات تہجد کا انحصار طبعی کیفیت پر تھا۔ اگر قراءت طویل کرنے کو جی چاہا تو رکعات کم کر دیں اور اگر رکعات زیادہ پڑھنے کو جی چاہا تو قراءت مختصر کر دی۔ (۳) صحت پر موقوف: تیسری صورت یہ ہے کہ رکعات تہجد کا انحصار صحت پر تھا۔ صحت اچھی تھی تو آپ تیرہ یا گیارہ رکعات ادا فرماتے۔ جسمانی کمزوری کی وجہ سے صحت متاثر ہوئی تو نو یا سات رکعات پراکتفا کر لیا۔

شیخ رشید رحمہ اللہ سے سنا: ان تینوں صورتوں کو سامنے رکھ کر غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا واقعی نماز تراویح کا انحصار وقت، طبعی کیفیت اور صحت پر ہے؟ کیا ہر آدمی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ قلت وقت یا طبعی کیفیت یا علالت و کمزوری کی بنا پر رکعات تراویح میں تخفیف کر لے؟ اور کیا بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے وہ مستقل چار تراویح پراکتفا کر سکتا ہے؟ کیونکہ تہجد کی کم از کم مسنون تعداد یہی ہے۔ اور کیا غیر مقلدین ایسا کوئی اشتہار شائع کرنے کا پروگرام رکھتے ہیں جس میں یہ اعلان ہو کہ تراویح کی کم از کم رکعات چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں؟ کیونکہ رکعات کی یہ تعداد حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے اور نہیں کر سکیں گے تو پھر ان کے موقف میں دو رنگی کیوں ہے؟

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

ابن حجر ابی کبیر رحمہ اللہ کا حدیث سنو: اختلاف کبیرات :

حدیث عائشہؓ کی اضطرابی کیفیت کا دوسرا پہلا اختلاف کیفیت کا ہے یعنی حضرت عائشہؓ سے مروی روایت میں رکعات کی طرح کیفیت تہجد بھی غیر معین ہے۔ مثلاً

تبرکات کبیرات کبریٰ اختلاف کبیرات : حضرت عائشہؓ سے تیرہ رکعات کی دو کیفیتیں منقول ہیں۔ پہلی دس رکعات اور تین وتر کی۔ اس کے لیے حضرت عائشہؓ سے عشر و ثلاث کے الفاظ منقول ہیں یعنی دس رکعات اور تین وتر۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۳) اور دوسری آٹھ رکعات اور پانچ وتر کی۔ اس کے لیے حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ تیرہ رکعات پڑھتے۔ ویسوتر منہا بخمس۔ ان میں سے پانچ وتر ہوتے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۴۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۹)

گیارہ رکعات کبریٰ اختلاف کبیرات : حضرت عائشہؓ سے گیارہ رکعات کی چھ

کیفیتیں منقول ہیں:

(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعات اکٹھی پڑھتے، پھر دو رکعات پڑھتے، اور پھر ایک رکعت۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۸۲۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۰) (۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ آٹھ رکعات پڑھتے ویوتر برکعة اور ایک رکعت وتر پڑھتے۔ ثم یصلی رکعتین وهو جالس پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۴۔ نسائی ج ۱ ص ۱۸۷۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۹) (۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ نو رکعت پڑھتے تو آٹھویں رکعت پر بیٹھتے۔ ولا یسلم ثم یصلی التاسعة ثم یسلم ثم یصلی رکعتین۔ سلام نہ پھیرتے، نویں رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے۔ پھر دو رکعت پڑھتے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۹۳) (۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ دس رکعات دو دو کر کے پڑھتے ویوتر یواحدة، پھر ایک وتر پڑھتے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۴) (۵) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ چھ رکعات دو دو کر کے پڑھتے ویوتر بخمس پھر پانچ وتر پڑھتے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۲) (۶) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ آٹھ رکعات چار چار کر کے پڑھتے پھر تین وتر پڑھتے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۴)

فی رکعات کبی ذیلہا : حضرت عائشہؓ سے نو رکعات کی چار کیفیات

منقول ہیں:

(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں سنت وثلاث۔ آپ چھ رکعتیں اور تین وتر پڑھتے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۳) (۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ چھ رکعت پڑھتے ثم یوتر برکعة ثم یصلی رکعتین وهو جالس۔ پھر ایک وتر پڑھتے اور دو رکعت بیٹھ کر ادا فرماتے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۸۷) (۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ سات رکعات پڑھتے لا یقع الا فی آخرهن۔ صرف آخری رکعت پر قعدہ فرماتے۔ پھر دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۹۳) اسی کی دوسری کیفیت حضرت عائشہؓ اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ آپ چھ رکعتیں پڑھتے، سلام نہ پھیرتے، ساتویں رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے۔ (ایضاً ص ۱۹۳) (۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ آٹھ رکعات پڑھتے ویوتر بالناسعة اور ایک وتر پڑھ کر نو رکعت پوری کر لیتے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۱)

کیفیات تہجد کے بارے میں ہم نے صرف روایات عائشہؓ پر اکتفا کیا ہے، دیگر صحابہ کرامؓ سے مروی روایات ذکر نہیں کیں۔ ان کی روشنی میں یہ فیصلہ بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ یہ صرف نماز تہجد کی مختلف حالتیں ہیں جو تراویح پر ہرگز جاری نہیں ہو سکتیں کیونکہ تراویح کی معین کیفیت (دو دو رکعت اور تین وتر) متواتر و متوارث ہے۔ کیا غیر مقلدین ایسا ایک اشتہار شائع کرنے کا حوصلہ کریں گے جس میں حضرت عائشہؓ سے مروی تہجد کی مذکورہ کیفیات اور دیگر صحابہ کرامؓ سے مروی یسعیاہ کے مطابق نماز تراویح ادا کرنے کو سنت قرار دیا جائے؟

وَجَوَابُ هَذَا أَنَّ الْقَوْلَ الْإِسْلَامِيَّ : مَنْ سَبَّ مَعْلُومًا هُوَ تَابَ بِهِ : مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث عائشہؓ کے بارے میں اقوال سلف بھی پیش کر دیے جائیں تاکہ سمجھنے میں مزید آسانی ہو جائے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ فی هذا اللون لم يقض فيه شيء۔ حدیث عائشہؓ کے مختلف رنگ ہیں، ان کی روشنی میں فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۹۹) امام محمد بن احمد القرطبی فرماتے ہیں کہ روایات عائشہؓ نے اکثر علما کو مشکل میں مبتلا کر دیا حتیٰ نسب بعضهم حدیثہا الی الاضطراب یہاں تک کہ بعض محدثین نے اسے مضطرب قرار دے دیا۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۶) مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی فرماتے ہیں کہ بعض علما نے اس اختلاف کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ حضرت عائشہؓ کی روایتیں مضطرب یعنی ضعیف ہیں لیکن مضطرب کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں کیا اشکال کہ گیارہ رکعات، اکثر اوقات اور عام معمول کے اعتبار سے ہوں اور کبھی کبھی آپ نے ان سے کم و بیش بھی پڑھی ہوں۔ بعض لوگ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ تراویح بھی آٹھ رکعات ہیں حالانکہ اس روایت سے تو تہجد کا صرف آٹھ رکعات ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا، چہ جائیکہ تراویح۔ اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ (خصائل نبوی ص ۲۲۴) اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ حجتہ اللہ البالغہ میں، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فتاویٰ عزیزی ص ۴۵۱ میں، علامہ عبدالحی لکھنویؒ مجموعہ فتاویٰ ص ۲۳۸ میں اور مولانا سید امیر علی رام پوریؒ تفسیر مواہب الرحمن پارہ ۱۵ ص ۲۱۹ میں فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہؓ تہجد کے بارے میں ہے۔ ان ٹھوس اور ناقابل تردید دلائل و براہین کے باوجود بھی اگر غیر مقلدین حدیث عائشہؓ کو تراویح پر محمول کرنے پر بضد ہوں تو ہٹ دھرمی ایک لاعلاج مرض ہے۔

جہاں میں عام ہے میرے الم کی داستاں لیکن وہ مجھ سے سن نہیں سکتے، میں ان سے کہہ نہیں سکتا
 ”وَدَوَّسَ رَوَّابِيْتُ“ حَدِيثُ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ

تراویح کے لیے دوسری دلیل حدیث جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی جاتی ہے۔ حضرت جابرؓ سے اس بارے میں تین روایات مروی ہیں۔ دو آٹھ رکعات کی اور ایک بیس رکعات کی۔ ہم تینوں کا مختصر جائزہ لینا چاہیں گے۔

پہلی حدیث جابرؓ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان کی ایک رات آپ نے ہمیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں۔ اگلی رات ہم دوبارہ جمع ہوئے مگر آپ تشریف نہ لائے۔ صبح کے وقت آپ نے فرمایا: خشیت ان یکتب علیکم الوتر میں ڈرا کہ یہ وتر تم پر فرض نہ کر دیا جائے۔ (ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸۔ موارد الظمان ص ۲۳۰۔ قیام اللیل للمروزی ص ۱۱۳) امام طبرانی فرماتے ہیں کہ لا یروی عن جابر الا بهذا الاسناد۔ اس سند کے علاوہ حضرت جابرؓ سے یہ روایت منقول نہیں (المعجم الصغیر ص ۱۰۸) گویا اس روایت کی ایک ہی سند ہے اور وہ انتہائی کمزور ہے۔ اس میں دو راوی ضعیف ہیں:

(۱) اس میں پہلا راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ فیہ لین اس میں کمزوری ہے۔ (حاشیہ ابن خزیمہ ص ۱۳۸) تقریب التہذیب ص ۲۷۰) ابن معین اس کے بارے میں فرماتے ہیں عندہ مناکیر۔ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں وہ منکر الحدیث تھا۔ امام نسائی فرماتے ہیں وہ متروک الحدیث تھا۔ ابن عدی فرماتے ہیں احادیثہ غیر محفوظہ اس کی حدیثیں غیر محفوظ (یعنی منکر و شاذ) ہیں۔ ساجی اور عقیلی اسے ضعیف شمار کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۰۷) علامہ ذہبیؒ نے اس کی منکر روایتوں کی مثال میں یہی روایت پیش کی ہے۔ (میزان ج ۳ ص ۳۱۱) حتیٰ کہ غیر مقلدین کے مکتبہ اثریہ جامع مسجد اہل حدیث سانگلہ بل نے جو ”قیام اللیل للمروزی“ شائع کی ہے، اس کے ص ۱۱۴ کے حاشیہ پر بھی عیسیٰ بن جاریہ کو ”فیہ لین“ تسلیم کیا گیا ہے۔

(۲) اس میں دوسرا راوی یعقوب قتی ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں، لیس بالقوی، وہ ثقہ نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۵۲) اور امام حافظ ابن کثیر الشافعیؒ فرماتے ہیں: فیہ تشیع اس میں

شیعیت تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۷۵) گویا یہ راوی بھی ضعیف ہے۔

حاصل بحث: مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱) حضرت جابرؓ سے یہ روایت نقل کرنے میں عیسیٰ بن جابر یہ منفرد ہے جو جمہور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف و کمزور ہے۔ (۲) عیسیٰ بن جابر یہ سے یہ روایت لینے میں یعقوب قتی منفرد ہے جیسا کہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ لیس بذالک لا اعلم احدا روی عنہ غیر یعقوب۔ میں نہیں جانتا کہ یعقوب کے علاوہ عیسیٰ بن جابر یہ سے کسی نے یہ روایت نقل کی ہو۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۱۱) امام طبرانی فرماتے ہیں کہ تفرد بہ یعقوب وهو ثقة۔ اس روایت میں یعقوب منفرد ہے اور وہ ثقہ ہے۔ (المعجم الصغیر ص ۱۰۸) یعنی یعقوب قتی بھی نقل روایت میں متفرد ہے اور اس کی ثقاہت متنازع فیہ ہے۔ اگر وہ ضعیف ہے (جیسا کہ دارقطنی وابن کثیر کا موقف ہے) تو اس کے ضعف کی وجہ سے یہ روایت ناقابل قبول ٹھہری اور اگر بالفرض وہ ثقہ ہے تو غیر ثقہ راوی (عیسیٰ بن جابر یہ) سے نقل روایت میں منفرد ہونے کی بنا پر اس کی یہ روایت ناقابل اعتماد ٹھہری کیونکہ ثقہ کا تفرد ثقہ ہی سے قبول کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس روایت کے بارے میں متردد ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث (یعنی عہد نبوی کی باجماعت تراویح) کے جتنے طرق ہیں، میں نے ان میں سے کسی طریق میں یہ نہیں دیکھا کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں لیکن ابن خزیمہ وابن حبان نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے ان راتوں میں علاوہ وتر کے آٹھ رکعت پڑھائی تھیں۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۹۷) حافظ ابن حجرؒ کا یہ تردد صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی حدیث جابرؓ کی صحت پر مطمئن نہیں ہیں۔ باقی رہا علامہ ذہبیؒ کا اس روایت کی سند کو اسنادہ وسط قرار دینا (میزان الاعتدال) تو یہ دو وجہ سے محل نظر ہے۔

(۱) علامہ ذہبیؒ نے جب اپنے قائم کردہ اصول کے مطابق میزان ج ۳ ص ۳۱۱ میں عیسیٰ بن جابرؓ کی منکر روایت کی حیثیت سے یہی روایت پیش کی ہے تو اس کے بعد اسے اسنادہ وسط قرار دینا ان کے اپنے اصول کے منافی ہے۔ (۲) امام یحییٰ بن معین، امام ابوداؤد، امام نسائی، اور امام ابن عدی جیسے ائمہ کی عیسیٰ بن جابرؓ پر شدید جرح موجود ہے اسی لیے علامہ نیوکیؒ فرماتے

ہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے تو اسے اسنادہ وسط کہا ہے، بل اسنادہ دون الوسط حالانکہ اس کی سند وسط درجے سے کم ہے۔ (العلیق الحسن ص ۲۰۲)

اور پھر اس روایت کو اگر سند سے ہٹ کر متن کے حوالے سے دیکھا جائے تو بھی ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے۔

(۱) اس لیے کہ یہ روایت حضرت ابوذر غفاری، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت زید بن ثابت، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وغنہم کی ان روایات کے سراسر منافی ہے جن میں تین دن باجماعت کا ذکر ہے جبکہ اس روایت میں صرف ایک رات کی نماز کا ذکر ہے۔ دوسری رات آپ نماز کے لیے تشریف نہیں لائے۔ (۲) اگر سند کے ضعف اور متن کے فرق کو نظر انداز کر کے بھی جائزہ لیا جائے تو نتیجہ یہی سامنے آتا ہے کہ تین رات کی باجماعت نماز کے اندر رکعات مختلف ہونے کی وجہ سے باقی صحابہ کرامؓ نے رکعات کا ذکر نہیں کیا اور حضرت جابرؓ نے ایک رات کی رکعات بیان کر دیں۔ (شاید وہ پہلی دو راتوں کی نماز میں شریک نہ ہو سکے ہوں جیسا کہ ان کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) گویا تین راتوں کی متفرق رکعات میں سے آٹھ رکعات صرف ایک رات کی ہیں۔ دوسری راتوں میں ممکن ہے رکعات کی یہ تعداد نہ رہی ہو لیکن بد قسمتی سے غیر مقلدین حضرات اس واضح فرق کو محسوس کرنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہیں۔

﴿وَسَرَّيْ حَلَبَ بَيْتَ جَابِرٍ﴾ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ، کان من اللیلۃ شئی آج رات ایک عجیب واقعہ پیش آ گیا۔ میرے گھر کی خواتین نے مجھے کہا کہ ہم تیری اقتدا میں نماز کے اندر قرآن پاک سنیں گی۔ میں نے ان کو آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے۔ آپ نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی گویا کہ اس پر اپنی رضا کا اظہار فرمایا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۵ ملخصاً) اس روایت میں بھی متعدد کمزوریاں موجود ہیں:

(۱) مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں رمضان کا لفظ موجود نہیں۔ ابویعلیٰ کی روایت میں یعنی رمضان کے الفاظ ہیں جو فہم راوی پر دلالت کرتے ہیں اور قیام اللیل ص ۹۲ کی روایت میں رمضان کا

لفظ موجود ہے۔ یعنی اس روایت سے تو سرے سے یہی تعیین نہیں ہوتی کہ یہ واقعہ رمضان کا ہے یا غیر رمضان کا۔ ممکن ہے خواتین خانہ نے نماز تہجد کے اندر قرآن سننے کی خواہش ظاہر کی ہو اور حضرت ابی بن کعبؓ نے انہیں تہجد ہی کی نماز پڑھائی ہو۔..... (۲) حضرت ابی بن کعبؓ خود اسے عجیب واقعہ کی حیثیت سے بیان فرما رہے ہیں جو دلیل ہے کہ ان کے سامنے تعیین رکعات کی نظیر موجود نہ تھی اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھی چونکہ رکعات متعین نہ تھیں اس لیے آپ نے اسے ناپسند نہ فرمایا۔....

(۳) یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی رضا صرف عورتوں کی امامت کی حد تک ہو کہ عورتوں نے آپ کی اقتدا میں جو نماز پڑھی، اس میں کوئی قباحت نہیں اور رکعات کی طرف آپ نے عدم تعیین کی بنا پر توجہ ہی نہ فرمائی ہو۔..... (۴) لیکن یہ ساری بحثیں اس صورت میں ممکن ہیں کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح ثابت ہو جائے جبکہ سند کے اعتبار سے اس کا ضعف گزشتہ روایت سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس میں عیسیٰ بن جاریہ اور یعقوب قتی کے علاوہ محمد بن حمید رازی بھی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب ص ۲۹۵) ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں کثیر المناکیر۔ بکثرت منکر روایتیں رکھتا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں فیہ نظر یعنی وہ انتہائی کمزور ہے۔ ابوزرعرہؒ فرماتے ہیں کذاب ہے۔ اسحاقؒ فرماتے ہیں اشہد انہ کذاب میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ صالح جزرهؒ فرماتے ہیں ما راایت اجرا علی اللہ منہ۔ میں نے اللہ تعالیٰ پر اس سے زیادہ جری شخص کوئی نہیں دیکھا۔ ہر چیز کے بارے میں حدیث بیان کر دیتا ہے۔ لوگوں کی حدیثیں بدل دیتا ہے۔ ابن خراشؒ فرماتے ہیں کان واللہ یکذب۔ خدا کی قسم جھوٹا ہے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں لیس بشقة (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹) امام بخاریؒ نے اسے نظر انداز کیا ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے اس کی روایت قبول نہیں کی۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۳۱) امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ (الوسیلہ مترجم ص ۱۲۰)

غور فرمائیے کہ اس روایت کے اندر گزشتہ روایت سے بھی زیادہ ضعف موجود ہے لیکن غیر مقلدین صرف ہٹ دھرمی کی بنا پر پھر بھی اس سے استدلال کر رہے ہیں۔

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الشَّہَادَۃَ اِذَا کُنْتُمْ عَلٰی فِئَیْہِمْ اَوْ اِذَا کُنْتُمْ عَلٰی اَفْئِیْہِمْ اَوْ اِذَا کُنْتُمْ عَلٰی اَفْئِیْہِمْ اَوْ اِذَا کُنْتُمْ عَلٰی اَفْئِیْہِمْ﴾ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رمضان کی ایک رات آپ

باہر (مسجد میں) تشریف لائے فصلی الناس اربعة وعشرين ركعة واوتر بثلاثة اور لوگوں کو چوبیس رکعات (چار فرض اور بیس تراویح) اور تین وتر پڑھائے۔ (تاریخ جرجان لابی القاسم حمزہ بن یوسف السہمی ص ۳۱۷)

اس روایت میں بھی محمد بن حمید رازی ہے جس کا ضعف بیان ہو چکا ہے چنانچہ شیخ ناصر الدین الالبانی غیر مقلد اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے فان محمد بن حمید وشیخہ عمر بن ہارون متهمان بالکذب کیونکہ محمد بن حمید رازی اور اس کا استاد عمر بن ہارون دونوں متہم بالکذب ہیں۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۲ ص ۳۷) گویا شیخ الالبانی بھی اس روایت کو محمد بن حمید رازی کی وجہ سے ضعیف قرار دے رہے ہیں۔ اگر رازی کی وجہ سے یہ روایت کمزور ہے تو پچھلی روایت کیسے صحیح قرار دی جاسکتی ہے؟

﴿قَبِيْطٌ رَّوَاهُ اَبُو اَيُّوبَ حَبِيْبُ بْنُ عَبْدِ اللهِ اَبُو عَبْدِ اللهِ﴾

تراویح کے لیے تیسری دلیل حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

وہ فرماتے ہیں کہ بے شک آنحضرت ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرين ركعة والوتر۔ رمضان المبارک میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۹۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۴۔ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۹۳)

اس روایت کی سند بھی کمزور ہے کیونکہ اس میں ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ راوی ائمہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے چنانچہ شعبہ فرماتے ہیں کذاب ہے۔ ابن معین کہتے ہیں لیس بشقة۔ امام احمد فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ مسکت عنہ البخاری۔ امام بخاری نے اسے نظر انداز کیا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں لہ مناکیر۔ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۴۷) ابن عدی کہتے ہیں لین۔ اس میں کمزوری ہے۔ (نصب الراية ج ۲ ص ۱۵۳) ابن حجرؒ فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۱۷) لہذا سند کے اعتبار سے اس روایت سے استدلال بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس مفصل و مدلل بحث سے یہ حقیقت تو پوری طرح بے نقاب ہو چکی کہ حدیث عائشہ صدیقہؓ تو اپنی اضطرابی کیفیت کی بنا پر رکعات کے لیے دلیل نہیں بن سکتی۔ باقی رہیں دیگر روایات تو ان کا نقشہ ملاحظہ

فرمائیے۔

۸ رکعت اور وتر (ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸)	۱	حضرت
۸ رکعات اور وتر (قیام الملیل ص ۹۲)	۲	جابر بن عبد اللہ
۲۰ رکعات اور تین وتر (تاریخ جرجان ص ۳۱۷)	۳	رضی اللہ عنہ
۲۰ رکعات اور وتر (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۴)	۱	حضرت ابن عباس
		رضی اللہ عنہ

سطور بالا میں آپ باحوالہ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ چاروں روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں لیکن ان کے درمیان چند ایسے فرق نمایاں ہیں جنہیں محسوس کرنے کے لیے کسی گہری نگاہ کی ضرورت نہیں۔ معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی انہیں باسانی محسوس کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا دل حقیقت پسندی اور فکر آخرت سے محروم نہ ہو۔

(۱) حدیث جابر باہم متعارض و متناقض ہے۔ اس کے تین طرق میں سے دو آٹھ رکعت پر دلالت کرتے ہیں اور ایک بیس رکعات پر جبکہ حدیث ابن عباس متعارض نہیں ہے۔

(۲) حدیث جابر کی آٹھ رکعات کا متابع موجود نہیں جبکہ حدیث ابن عباس کا متابع حدیث جابر کی بیس رکعت والی روایت موجود ہے اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ضعیف روایت کا متابع ضعیف روایت کی صورت میں بھی موجود ہو تو اس کا ضعف کم ہو جاتا ہے۔

(۳) حدیث جابر کی آٹھ رکعت والی روایت کو امت کا تلقی بالقبول حاصل نہیں جبکہ حدیث ابن عباس کو امت کے تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے اور امت کا تلقی بالقبول ضعف روایت کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔

(۴) اسلاف امت میں سے جن اکابر نے حدیث جابر کی سند کی توثیق کی ہے، ان میں سے کوئی بھی رکعات تراویح کے لیے اس سے استدلال نہیں کرتا بلکہ رکعات تراویح کے لیے وہ سب بزرگ عہد فاروقی کی روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

(۵) حدیث جابرؓ سے رکعات تراویح کے لیے کسی محدث نے استدلال نہیں کیا جبکہ اس کے برعکس متعدد ائمہ کرام نے حدیث ابن عباسؓ سے باقاعدہ استدلال کیا ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : عَلِمَهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ الْحُسَيْنِيُّ الْوُفَاءُ بِأَحْوَالِ الْمُصْطَفَى ص ۵۶۰ میں بیس رکعات نماز تراویح کے ثبوت کے لیے حدیث ابن عباسؓ پیش فرماتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا قیام رمضان میں رکعت تھا کما جاء فی حدیث ابن عباسؓ جیسا کہ حدیث ابن عباسؓ میں موجود ہے۔ (تحفۃ الاخیار ص ۲۱۱) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباسؓ صحیح و سالم ہے، قابل عمل ہے کیونکہ فعل صحابہؓ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۴۵۲) علامہ ابن قدامہ الحسنبلیؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات نماز تراویح سنت موکدہ ہے: واول من سنه رسول الله ﷺ ونسبت الى عمر لانه جمع الناس على ابي بن كعب - سب سے پہلے اسے آنحضرت ﷺ نے سنت قرار دیا۔ حضرت عمرؓ کی طرف اس کی نسبت صرف اتنی ہے کہ انہوں نے قوم کو (ایک امام) حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع کر دیا۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۸۰۰) یہاں تک کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں التراویح عشرون ركعة سنة مؤكدة ولم يخرج عمر من تلقاء نفسه - بیس رکعات تراویح سنت موکدہ ہیں جو حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیں۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۲۰) گویا رکعات تراویح کے لیے اسلاف کا حدیث ابن عباسؓ سے استدلال موجود ہے۔

حَدَّثَنَا جَابِرٌ كَتَبَ فَيُوثِقُ كَرَفَى وَالْأَكْبَرُ كَالْأَسْنَلِ قَالَ:

حدیث جابرؓ کی توثیق کے لیے غیر مقلدین چند اکابر کا نام پیش کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان اکابر نے حدیث جابرؓ کی توثیق کی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ غیر مقلدین کا یہ دعویٰ درست ہے یا نہیں، لیکن ہم ان شاء اللہ العزیز یہ بات باحوالہ ثابت کر سکیں گے کہ وہ اکابر اگر حدیث جابرؓ کی توثیق کرتے بھی ہیں تو رکعات تراویح کے لیے اس سے استدلال ہرگز نہیں کرتے بلکہ رکعات تراویح کے لیے ان کا استدلال عہد فاروقی کی روایات سے ہے۔ آئیے ان اکابر کا استدلال ملاحظہ فرما لیجیے۔

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ: حدیث جابرؓ کی توثیق کرنے والے اکابر میں غیر مقلدین

سب سے پہلا نام حافظ ابن حجرؒ کا پیش کرتے ہیں حالانکہ حافظ ابن حجرؒ رکعات تراویح کے لیے عہد فاروقیؓ کی یزید بن رومان اور یزید بن حصیفہ والی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عن عمر انه جمع الناس على ابي بن كعب فكان يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة - حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعبؓ کی اقتدا میں جمع کیا اور انہوں نے بیس رکعات نماز تراویح پڑھائیں۔ (الدرایہ ج ۱ ص ۱۲۳۔ تلخیص الخیر ج ۲ ص ۲۱)

(۲) علامہ بدر الدین عینیؒ لکھنویؒ: اس بارے میں دوسرا نام علامہ عینیؒ کا پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی رکعات تراویح کے لیے عہد فاروقیؓ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انهم كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى مثله فصار اجماعا - یعنی عہد فاروقیؓ، عہد عثمانیؓ اور عہد علویؓ میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور اسی پر اجماع منعقد ہو گیا۔ (حاشیہ کنز الدقائق ج ۱ ص ۳۰)

(۳) امام جلال الدین سیوطیؒ الشافعیؒ: اس بارے میں تیسرا نام امام سیوطیؒ کا پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی عہد فاروقیؓ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سائب بن یزید سے سند صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے عہد عمرؓ فی شہر رمضان بعشرين ركعة - عہد فاروقیؓ میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ (المجاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۴۸)

(۴) علامہ ملا علی قاریؒ لکھنویؒ: اس بارے میں چوتھا نام علامہ علی قاریؒ کا پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی عہد فاروقیؓ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نعم ثبت العشرون من زمن عمر. ہاں (اگرچہ حدیث ابن عباسؓ ضعیف ہے لیکن) عہد فاروقیؓ میں بیس رکعات ثابت ہیں۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۲)

(۵) علامہ عبدالحی لکھنویؒ لکھنویؒ: اس بارے میں پانچواں نام علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا پیش کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی عہد فاروقیؓ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ثبت اهتمام الصحابة على عشرين في عهد عمر وعثمان وعلى من بعدهم - یعنی عہد فاروقیؓ، عہد عثمانیؓ،

عہد علوی اور ان کے بعد صحابہ کرامؓ کے اہتمام سے بیس رکعات تراویح ثابت ہیں۔ (عمدة الرعاۃ ج ۱ ص ۱۷۵)

(۶) حافظ کمال الدین ابن ہمام الحنفیؒ: اس بارے میں چھنا نام حافظ ابن ہمام کا پیش کیا جاتا ہے کہ وہ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۳۳ میں آٹھ رکعات تراویح کو سنت اور بارہ رکعات کو مستحب قرار دیتے ہیں حالانکہ حافظ ابن ہمام اسی فتح القدیر کے ص ۳۳۳ پر تسلیم کرتے ہیں کہ ثبت العشرون من زمن عمر یعنی حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعات ثابت ہیں یعنی حافظ ابن ہمام عہد فاروقی کی بیس رکعات سے انکار نہیں کر رہے بلکہ صرف ان کی حکمی حیثیت سے اختلاف کر رہے ہیں۔ تراویح ان کے نزدیک بھی بیس رکعات ہی ہیں البتہ وہ آٹھ رکعت پر سنت نبوی سے ثابت ہونے کی وجہ سے سنت موکدہ اور بارہ رکعات پر سنت خلفاء راشدینؓ سے ثابت ہونے کی وجہ سے مستحب ہونے کا حکم جاری کرتے ہیں۔ لیکن علامہ محمد انور شاہ کا شیرازیؒ ان کے اس موقف کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سنت خلفاء راشدینؓ بھی سنت نبوی کی طرح سنت ہے جیسا کہ اصول میں سنت کا اطلاق سنت نبویؐ اور سنت خلفاء راشدینؓ دونوں پر ہوتا ہے: فیکون فعل الفاروق الاعظم ایضا سنة پس فاروق اعظمؓ کا بیس رکعات تراویح والا فعل بھی سنت نبوی کی طرح سنت ہے۔ (العرف الشذی ص ۳۰۹)

اس بحث سے پوری طرح واضح ہو چکا کہ غیر مقلدین کے نزدیک جو اکابر و اسلاف حدیث جابرؓ (آٹھ رکعات والی) کی توثیق کرتے ہیں، وہ بھی رکعات تراویح کے لیے اسے بنیاد نہیں بناتے اور نہ اس سے استدلال کرتے ہیں بلکہ عہد فاروقی کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ذنکے کی چوٹ بیس رکعات تراویح کا اثبات کرتے ہیں اور غیر مقلدین حضرات اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی حدیث کی محض صحت و ثقاہت ہی کافی نہیں ہوتی جب تک کہ اس سے استدلال نہ کیا جائے۔ ورنہ بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث کی وہ بے شمار روایات غیر مقلدین کے لیے وبال جان بن جائیں گی جن کی صحت و ثقاہت مسلمہ ہے لیکن منسوخ ہونے کی بنا پر ان سے استدلال جائز نہیں اور نہ ان پر عمل کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ کیا بخاری کے اندر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے اور نماز کے اندر خارجی گفتگو کرنے کی روایات کی صحت کے اندر کوئی شبہ کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا غیر مقلدین محض ان کی صحت کی بنیاد پر انہیں عمل

کی بنیاد بنا سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر حدیث جابرؓ کی محض صحت ثابت کرنے سے کیا فائدہ؟

ہم نے حدیث جابرؓ اور حدیث ابن عباسؓ کے درمیان پانچ واضح فرق بیان کر دیے ہیں۔ اس کے باوجود حدیث جابرؓ سے استدلال کرنا اور حدیث ابن عباسؓ کو یکسر نظر انداز کر دینا خالص غیر مقلدانہ جسارت ہے جسے علم و تحقیق کی دنیا میں مبنی بر انصاف ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کا ان الذی: یہاں یہ غلط فہمی پیدا کی جاسکتی ہے کہ جب مذکورہ علما آٹھ رکعات کو سنت نبویؐ تسلیم کرتے ہیں تو پھر رکعات تراویح کے لیے عہد فاروقی کی روایات سے کیوں استدلال کرتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ وہ اپنی تحقیق کے مطابق آٹھ رکعات کو سنت نبویؐ قرار دینے کے باوجود سنت خلفاء راشدینؓ کو نظر انداز نہیں کرتے چنانچہ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ وجمع بینہما بانہ وقع اولاً ثم استقر الامر علی العشرين فانه المتوارث۔ یعنی گیارہ اور بیس رکعات کی روایات کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ پہلے گیارہ رکعات پڑھی جاتی تھیں پھر بیس پر معاملہ پختہ ہو گیا اور یہی متواتر و متوارث عمل ہے۔ لہذا ان قیام رمضان سنة احدى عشرة بالوتر فی جماعة فعلہ علیہ السلام وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين۔ گیارہ رکعات سنت نبویؐ اور بیس رکعت سنت خلفاء راشدینؓ ہے۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۴) یہی موقف علامہ قسطلانی الشافعیؒ کا التعلیق الحسن ج ۲ ص ۵۳ میں، امام سیوطی الشافعیؒ کا السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ میں، علامہ سلیمان الباجی المالکیؒ کا المنقذی شرح الموطا ص ۲۰۸ میں، امام سیوطی الشافعیؒ کا المصابیح ص ۳۹ میں اور حافظ ابن حجر الشافعیؒ کا فتح الباری ج ۵ ص ۵۷ میں مذکور ہے۔

شیخ الاسلام کا دوسرا منہ

علماء اہل سنت کو غیر مقلدین سے ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ کسی روایت کو قبول یا رد کرنے کے لیے ان کے ہاں دو ہر معیار پایا جاتا ہے یعنی ان کے پاس لینے اور دینے کے پیمانے جدا جدا ہیں۔ آئیے آپ بھی اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمالیجیے۔ حدیث ابن عباسؓ کے راوی ابراہیم بن عثمان اور حدیث جابرؓ کے راوی عیسیٰ بن جاریہ اور محمد بن حمید رازی کے بارے میں غیر مقلدین کے ہاں کس قدر بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

قال ابن عدی	ابراہیم بن عثمان	لین الحدیث	غیر مقلدین نے کہا	درست ہے
قال ابن حجر	عسیٰ بن جاریہ	لین الحدیث		غلط ہے
قال الذہبی	ابراہیم بن عثمان	لہ مناکیر		درست ہے
قال ابن معین	عسیٰ بن جاریہ	لہ مناکیر		غلط ہے
قال النسائی	ابراہیم بن عثمان	متروک الحدیث		درست ہے
قال ابوداؤد	عسیٰ بن جاریہ	منکر الحدیث		غلط ہے
قال احمد	ابراہیم بن عثمان	ضعیف		درست ہے
قال الساجی والعقیلی	عسیٰ بن جاریہ	ضعیف		غلط ہے
قال البیہقی و احمد	ابراہیم بن عثمان	ضعیف		درست ہے
قال ابن حجر والذہبی	محمد بن حمید رازی	ضعیف		غلط ہے
قال الذہبی	ابراہیم بن عثمان	لہ مناکیر		درست ہے
قال یعقوب بن ہمیر	محمد بن حمید رازی	کثیر المناکیر		غلط ہے
قال البخاری	ابراہیم بن عثمان	سکت عنہ		درست ہے
قال البخاری	محمد بن حمید رازی	فی نظر		غلط ہے
قال شعبہ	ابراہیم بن عثمان	کذاب		درست ہے
قال ابوزرعہ واسحاق و ابن خراش	محمد بن حمید رازی	کذاب		غلط ہے
قال ابن معین	ابراہیم بن عثمان	لیس بثقة		درست ہے
قال النسائی	محمد بن حمید رازی	لیس بثقة		غلط ہے

نوٹ: غیر مقلدین کے معروف امام حافظ محمد عبداللہ روپڑی فرماتے ہیں کہ امام بخاری جس

راوی کے حق میں فیہ نظر فرمادیں تو اس کی حدیث سے نہ استدلال پکڑا جاسکتا ہے نہ وہ دوسری روایت کی شاہد ہو سکتی ہے اور نہ وہ متابعت کا کام دے سکتی ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۳۲۲۔ تحفۃ الاحوزی ج ۲ ص ۷۵) اور امام بخاری محمد بن حمید رازی کے بارے میں فیہ نظر ہی تو فرما رہے ہیں۔ اب اس کی روایت سے استدلال کیونکر صحیح ہوگا؟

هو لانا ثبت الر حنفی ہبنا ک پوری کا فیہ حنفیہ : اس مدلل بحث کے بعد بھی اگر غیر مقلدین حدیث جابرؓ کی صحت پر بضد ہوں تو بھی انہیں اس کی صحت فائدہ نہیں دیتی کیونکہ ان کے پیشوا مولانا عبد الرحمن مبارک پوریؒ غیر مقلد ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سلمنا صحة اسنادہ لكن تقرر ان صحة الاسناد لا يستلزم صحة المتن یعنی اس کی سند کا صحیح ہونا تسلیم لیکن یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ سند کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ (ابکار المن ص ۲۰) گویا عملی حوالہ سے کسی روایت کی سند کی صحت بھی فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ متن حدیث کو امت کا تلقی بالقبول حاصل نہ ہو اور یہی ہمارا موقف ہے کہ حدیث جابرؓ اگر سند کے اعتبار سے بالفرض صحیح ثابت ہو بھی جائے تو امت کا تلقی بالقبول حاصل نہ ہونے کی وجہ سے وہ قابل استدلال نہیں۔

ابیک صالحہ فوریہ کا ان الذی بعض غیر مقلدین یہ دھوکہ بھی دیتے ہیں کہ عیسیٰ بن جاریہ کی تو بعض ائمہ نے توثیق بھی کی ہے جبکہ ابراہیم بن عثمان کی کسی نے توثیق نہیں کی حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ بعض ائمہ نے ابراہیم کی بھی توثیق کی ہے مثلاً ابن عدیؒ فرماتے ہیں لہ احادیث صالحہ وخیر من ابراہیم ابن ابی حنیہ یعنی ابراہیم کے پاس صالح روایات بھی ہیں اور وہ ابراہیم بن ابی حنیہ سے بہتر ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۳۵) اور امام بخاریؒ کے استاد یزید بن ہارون فرماتے ہیں ہمارے زمانے میں ابراہیم بن عثمان سے زیادہ عادل قاضی کوئی نہیں گزرا۔ (تہذیب ج ۱ ص ۱۳۵) لیکن یہ بات ہم بار بار واضح کرنا چاہیں گے کہ حدیث ابن عباسؓ سے ہمارا استدلال صحت سند کی بنیاد پر نہیں بلکہ امت کے تلقی بالقبول کی بنیاد پر ہے۔ غیر مقلدین میں اگر اخلاقی جرات ہے تو وہ اس اعتبار سے اس کی تردید کریں۔ هل منکم رجل رشید؟

حاصلی بحث : اس پوری بحث کے بعد جو یا نت دارانہ نتیجہ سامنے آتا ہے، وہ یہی ہے کہ

عہد نبویؐ کی رکعات تراویح سے متعلق تمام روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قیام رمضان کی بہت ترغیب دیتے لیکن اس سلسلے میں کوئی تاکید حکم نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی اور معاملہ اسی طرح رہا۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۹) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کسی تاکید حکم کے بغیر قیام رمضان کی ترغیب فرماتے تھے۔ (نسائی ج ۱ ص ۲۳۷)

اسی لیے جمہور اہل سنت والجماعت کا موقف یہی ہے کہ کسی صحیح روایت سے عہد نبویؐ کی رکعات تراویح ثابت نہیں۔ علامہ تاج الدین سبکی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ اعلم انہ لم ينقل کم صلی رسول اللہ ﷺ تلک اللیالی هل هو عشرون او اقل۔ مذهبنا ان التراويح عشرون رکعة۔ یعنی آنحضرت ﷺ سے باجماعت نماز تراویح کے ایام ثلاث میں رکعات ثابت نہیں البتہ ہمارا مذہب میں تراویح کا ہے۔ (تحفۃ الاخیار ص ۱۱۶۔ الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۵۰) علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ بے شک آنحضرت ﷺ سے رکعات تراویح کا کوئی عدد معین ثابت نہیں۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۳) نیز فرماتے ہیں کہ ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی ﷺ لا بزید ولا ینقص فقد اخطا یعنی جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ آپ ﷺ سے قیام رمضان کی رکعات کے لیے ایسا عدد معین ثابت ہے کہ اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی، وہ غلطی پر ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۵۱) قاضی شوکانیؒ غیر مقلد فرماتے ہیں کہ نماز تراویح کو رکعات کے کسی عدد معین سے محدود کرنا یا کسی خاص قراءت کے ساتھ مخصوص کرنا سنت نبویؐ سے ثابت نہیں۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۳) اسی طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتاویٰ عزیزی ص ۴۵۲ میں، نواب وحید الزمان خان نے کنز الحقائق ص ۳۰ اور نزل الابراج ص ۱۲۶ میں اور نواب نور الحسن خان نے عرف الجادی ص ۸۴ میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے رکعات تراویح کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ اسی لیے امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:

ولو ثبت عددها بالنص لم تجز الزیادة علیہ لاهل المدينة والصدر الاول
کانوا اورع من ذلك اگر رکعات تراویح کا عدد معین نص سے ثابت ہوتا تو خیر القرون کے
اہل مدینہ ان میں ہرگز زیادتی نہ کرتے کیونکہ وہ (بعد والے لوگوں سے) زیادہ متقی و پرہیزگار

تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۴۸) نیز فرماتے ہیں کہ ان العلماء اختلفوا فی عددہا ولو ثبت ذالک من فعل النبی ﷺ لم یختلف فیہ۔ بے شک علما نے رکعات تراویح میں اختلاف کیا ہے۔ اگر سنت نبویؐ سے ان کا عدد معین ثابت ہوتا تو علماء اس میں اختلاف ہرگز نہ کرتے۔ (مصباح للسیوطی ص ۴۲)

اور یہ ہے بھی حقیقت کہ رکعات تراویح میں اختلاف خیر القرون یا اس کے قریب زمانہ میں پیدا ہوا۔ اگر آنحضرت ﷺ سے رکعات تراویح بصرحت ثابت ہوتیں تو اختلاف ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ یہ ائمہ کرامؒ نہ تو حدیث جاہلی صحت کو قبول کرتے ہیں اور نہ حدیث عائشہؓ کو تراویح پر محمول کرتے ہیں۔ نوٹ: یہاں ہم ایک بار پھر یہ وضاحت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ جن ائمہ نے حدیث ابن عباسؓ سے استدلال کیا ہے، وہ اس کی صحت و ثقاہت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس پر امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے کیا ہے۔ ورنہ سند کے اعتبار سے حدیث ابن عباسؓ کا ضعف بھی مسلم ہے۔

باب سوم

سنت خلفائے راشدینؓ

گزشتہ باب میں بالتفصیل گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے باجماعت قیام رمضان چند دن فرمایا۔ پھر اسے امت پر فرضیت کی وجہ سے ترک فرما دیا۔ اور یہ بھی بدلائل قاطعہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس باجماعت نماز کی رکعات کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں ملتا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان گھروں یا مسجدوں میں جو نماز ادا کرتے تھے، اس کی رکعات کا ثبوت بھی دستیاب نہیں۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات بھی گزر چکی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس نماز کی ترغیب دیتے تھے لیکن اس کے لیے کسی قسم کا تاکید حکم نہ فرماتے تھے۔ چونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک سنت نبویؐ کے بعد سب سے بڑی دلیل سنت خلفاء راشدینؓ ہے، اس لیے اب ہم اسی دلیل کے حوالے سے بحث کریں گے کہ خلفائے راشدینؓ کے ہاں رکعات تراویح کی تعداد کیا ہے؟

سنت خلفائے راشدینؓ

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد قرآن پاک کے وعدہ خلافت کے مطابق تمام انصار و مہاجرین صحابہؓ نے بالاتفاق حضرت سیدنا امام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا اور وہی خلیفہ بلا فصل قرار پائے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بھی نماز تراویح کا وہی سلسلہ جاری رہا جو عہد نبویؐ کے آخری ایام میں موجود تھا یعنی انفرادی یا متفرق جماعتوں کی صورت میں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

ثم كان الامر على ذلك في خلافة ابي بكر وصدرنا من خلافة عمر (بخاری ج ۱)

ص ۲۶۹۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۹ یعنی پھر عہد نبویؐ والا یہ معاملہ خلافت صدیقیؓ اور عہد فاروقیؓ کے

آغاز میں اسی طرح قائم رہا۔

گویا عہد صدیقیؒ میں بھی قیام رمضان کا وہی عہد نبویؐ والا طرز قائم رہا۔ چنانچہ مولانا شاء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ :

”اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں نماز تراویح باجماعت کا انتظام نہ تھا بلکہ خلافت اولیٰ کے عہد میں بھی نہ تھا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھتے تھے۔“ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۴۶) ”ایک حق پسند کے لیے یہ بات قابل غور ہے کہ جماعت تراویح جو آج اسلامی ممالک میں مروج ہے، یہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جاری ہوئی تھی۔ خلافت اولیٰ کے زمانے میں اس کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔“ (ایضاً ص ۵۵۱)

یعنی عہد صدیقیؒ میں نہ مستقل طور پر باجماعت قیام رمضان تھا اور نہ متفرق جماعتوں میں رکعات کی کوئی تعیین۔ چنانچہ مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ غیر مقلد اور مولانا عبد الرحمن مبارک پوریؒ غیر مقلد فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۳۶ ص ۲۴۰ میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ وہ کتنی رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ اگر عہد نبویؐ میں رکعات تراویح کی تعیین موجود ہوتی تو صدیق اکبرؓ سے بڑھ کر کون ان سے باخبر ہوتا؟

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ تَرَاوِیْحَ

۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ کو امام صدیق اکبرؓ نے سفر آخرت اختیار فرمایا اور انہی کے انتخاب پر امام فاروق اعظمؓ نے خلافت سنبھالی۔ تقریباً دو ماہ بعد رمضان المبارک آ گیا۔ اس موقع پر آغاز رمضان میں آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عکیم الجعفیؒ فرماتے ہیں کہ :

”ماہ رمضان کی اول شب نماز مغرب کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے فرمایا: هذا الشهر كتب عليكم صيامه ولم يكتب عليكم قيامه فمن استطاع منكم ان يقوم فليقم فانها نوافل الخير فمن لم يستطع فليمن على فراشه۔“ ”یہ وہ مہینہ ہے جس کے روزے تم پر فرض کیے گئے لیکن اس کا قیام تم پر فرض نہیں کیا گیا۔ پس تم میں سے جو قیام کی طاقت رکھتا ہے، وہ قیام کرے کیونکہ یہ نوافل اس کے لیے بہتر ہیں اور جو تم میں سے قیام کی طاقت نہیں رکھتا، وہ اپنے بستر پر نیند کرے۔“ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶۶)

گویا خلافت فاروقی کے آغاز میں نماز تراویح کی سابقہ کیفیت برقرار تھی اور اس کا درجہ نوافل یا استحبائی سنت کا رہا لیکن اگلے سال فاروق اعظمؓ نے باجماعت تراویح کے لیے سرکاری حکم جاری فرمادیا چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاریؓ فرماتے ہیں کہ :

”رمضان المبارک کی ایک شب کو میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو لوگ الگ الگ اور متفرق ٹولیوں کی صورت میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر میں ان کو ایک امام پر جمع کر دوں تو بہتر ہوگا۔ پھر آپ نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا۔ کچھ دن بعد آپ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتدا میں جمع کر دیا۔ اس کے بعد ایک رات ہم نکلے تو لوگ مسجد کے اندر ایک امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: نعمت البدعة هذه۔ یہ ایک اچھا طریقہ ہے۔“ (بخاری ج ۱ ص ۲۶۹)

متفرق جماعتوں کا سلسلہ ختم کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے حضرت نوفل بن ایاس الہزلیؓ فرماتے ہیں کہ :

”ہم عہد فاروقی میں مسجد کے اندر متفرق جماعتوں کی صورت میں قیام رمضان کرتے تھے اور لوگ خوش الحان قاریوں کی طرف مائل تھے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا: اتخذوا القرآن اغناسی۔ لوگوں نے قرآن کو گانا سمجھ رکھا ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے توفیق ملی تو میں اس طرز کو بدل دوں گا۔ تین دن سے زائد نہ ہوئے تھے کہ آپ نے ابی بن کعبؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ (کنز العمال ج ۸ ص ۲۶۴۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۹)

غالباً تین دن امام فاروق اعظمؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے :
وقد كان على بحث عمر على اقامة هذه السنة الى ان اقامها۔ یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو اس (باجماعت نماز تراویح کی) سنت کے قائم کرنے پر ابھارا یہاں تک کہ انہوں نے اسے قائم کر دیا۔“ (متدرک حاکم ج ۱ ص ۴۴۰) اور خود حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ قیام رمضان کے لیے مسجد میں حاضر ہوا کہ حضرت عمرؓ نے مجھے فرمایا کہ یا ابا الحسن فتحرز الناس على الصلوة حتى تصيبهم البركة فامر الناس بالقيام۔ اے علیؓ، لوگوں کو (باجماعت) قیام رمضان پر ابھارو تاکہ وہ اس کی برکات پوری طرح حاصل کر سکیں۔ پھر

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو قیام کا حکم دیا۔ (کنز العمال ج ۸ ص ۲۶۵) تاریخی روایات کے مطابق حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں لوگوں کو قیام رمضان کے لیے جمع کرنے کا واقعہ خلافت فاروقیؓ کے دوسرے سال یعنی ۱۴ ہجری کا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ ص ۲۰۹۔ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۸۹۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۱۵)

مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں فاروق اعظمؓ کے اس فعل کے دو بنیادی سبب نظر آتے ہیں۔
 پہلا ایک مسجد میں متفرق جماعتوں کا سلسلہ ختم کرنا جو مستقبل میں مسلمانوں کے درمیان باہمی جنگ و جدال کا ذریعہ بن سکتی تھیں لیکن افسوس کہ فاروق اعظمؓ نے تو جماعت پر تفریق کا راستہ بند کیا لیکن غیر مقلدین نے رکعات پر وحدت امت پارہ پارہ کر دی اور سورۃ عسرا، عظمت قرآن کو دلوں میں برقرار رکھنا تاکہ لوگ خوش الحانیوں میں مبتلا ہو کر قرآن سے ثانوی سلوک نہ کرنے لگیں۔ چنانچہ یہ ایک اتفاقی مسئلہ ٹھہرا۔ فکان عمر اول من جمع الناس علی قارئ واحد۔ کہ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶۲) امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: وذلک صریح فی انہا لم تکن فی عہد رسول اللہ ﷺ۔ یعنی یہ اس بات پر صریح دلیل ہے کہ عہد نبویؐ میں تراویح کا یہ (اجماع) سلسلہ موجود نہ تھا۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۴۸) اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ (تراویح کا) جماعتی انتظام خلفیہ ثانی حضرت عمرؓ نے کیا۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۴۶)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ رمضان المبارک کی راتوں میں سرکاری گشت کے دوران، جو کہ ان کا معمول تھا، مدینہ منورہ کی مختلف مساجد میں پہنچتے تو وہاں متفرق جماعتوں کا سلسلہ نظر آیا جسے انہوں نے بعض خطرات و خدشات کی بنا پر ناپسند فرمایا اور تمام لوگوں کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کر کے انہوں نے قیام رمضان کے اندر جماعتی وحدت پیدا کر دی۔

وہو سورۃ عسرا سورۃ عسرا

پھر حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مختلف مساجد کے اندر محنت و صحت کے لحاظ سے ہر قسم کے لوگ نماز پڑھنے والے موجود ہیں۔ کچھ ان میں سے ضعیف و کمزور ہیں اور کچھ محنت کش اور مزدور ہیں جو دن بھر کی

محنت و مزدوری یا ضعف و کمزوری کی بنا پر طویل قیام کی ہمت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان کی رعایت میں:

ان عمر دعا القراء فی رمضان فامر اسرعهم قراءة ان یقرأ بثلاثین آية
والوسط خمسة وعشرين آية والبطی عشرين آية۔ حضرت عمرؓ نے (مختلف مساجد
کے اندر) تراویح پڑھانے والے قراء کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ تیز رفتار قاری ہر رکعت میں تیس
آیات پڑھے۔ درمیانی رفتار والا پچیس آیات اور سست رفتار قاری ہر رکعت میں بیس آیات
پڑھے۔ (کنز العمال ج ۸ ص ۲۶۳۔ مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲
ص ۳۹۲) چنانچہ مشہور تابعی حضرت سعید بن الجحیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ: یقرأ فی کل
رکعة بخمس وعشرين آية۔ وہ تراویح کی ہر رکعت میں پچیس آیات پڑھتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲)

حضرت فاروق اعظمؓ کے اس سرکاری حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دنیوی معاملات میں
لوگوں کی حالت و کیفیت کی خبر نہیں رکھتے تھے بلکہ دینی امور میں بھی ان کی حالت و کیفیت پر گہری نظر
رکھتے تھے اور ایسے جملہ معاملات کی براہ راست خود نگرانی کرتے تھے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین
رہے کہ اس دور میں تیز رفتاری کا یہ تصور ہرگز نہ تھا جو بد قسمتی سے ہمارے زمانے کے حفاظ قرآن میں پایا
جاتا ہے یعنی یعلمون اور تعلمون کے سوا کچھ بھی سمجھ نہیں آتا۔ بلکہ تجوید و ترتیل قرآن کو پوری طرح
ملفوظ رکھتے ہوئے قراء قرآن کی طبعی رفتار میں جو فرق تھا، اس کے مطابق فیصلہ کیا گیا۔ غالباً حضرت
فاروق اعظمؓ نے ان سے قرآن پاک سن کر ان کی رفتار کا جائزہ لے کر اس کے مطابق حکم صادر فرمایا۔
قیام رمضان باجماعت کمال احسن! یا احب!

اس مقام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب عہد نبویؐ میں باجماعت تراویح کا باقاعدہ سلسلہ موجود
نہ تھا تو یہ فاروق اعظمؓ کی طرف سے ایک نئے سلسلے کا اجرا ہے جو بدعت ہے۔ اس کے جواب میں ہمارا
موقف یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ اتفاقی و اجتماعی نظریہ ہے کہ خاتم النبیینؐ ہونے کی بنا پر
آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا لہذا اس کے بعد کسی چیز کے حلال و حرام یا فرض ہونے کا
اندیشہ بھی باقی نہ رہا۔ چونکہ قیام رمضان کو حضور علیہ السلام خود اپنی سنت قرار دے چکے تھے جس کا حکم
سنت بدستور باقی تھا۔ دوسری طرف آپ نے اس کی جماعت کے سلسلے کو بھی پسند فرمایا جسے صرف خوف

عہد فاروقی کی رکعات قرآن میں: چونکہ یہ ثابت ہو چکا کہ باجماعت قیام رمضان کی سنت نبویؐ کا احیا حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اور وہی جماعت اپنی ہیئت و رکعات کے لیے معیار و اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے اب ہم عہد فاروقی کی باجماعت نماز کی ان روایات کا جائزہ لینا چاہیں گے جن میں رکعات کا تذکرہ موجود ہے۔

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم عہد فاروقی میں بیس رکعت قیام رمضان کرتے تھے اور قاری ہر رکعت میں سو سو آیات پڑھتا تھا اور عہد عثمانی میں تو طول قیام کی وجہ سے لوگوں کو لاثیو کا سہارا لینا پڑتا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۹۶۔ عمدۃ القاری للنعیمی ج ۱ ص ۱۲۷۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۹۸)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صلوٰۃ التراويح عشرین رکعتہ کے نام سے اس کے جواب میں ایک رسالہ تالیف فرمایا جو ۱۳۹۲/۱۱/۲۱ء میں بیروت سے طبع ہوا۔ اس میں شیخ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام نوویؒ، علامہ زیلعیؒ، امام سبکیؒ، ابن العرّاقیؒ، علامہ عینیؒ، امام سیوطیؒ، ملا علی قاریؒ اور علامہ نیوئیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (ص ۷) یعنی ان اصحاب فن کے مقابلے میں بے چارے البانی کا انکار کیا حیثیت رکھتا ہے۔

ثَبِيرٌ دَقَلْتُ دَنِيَّارَ : غیر مقلدین کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ جب وہ حدیث جابرؒ میں عیسیٰ بن جاریہ کی صحت و ثقاہت ثابت کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں تو پھر ان چند ائمہ کا سہارا لیتے ہیں جنہوں نے حدیث جابرؒ کو صحیح تسلیم کیا ہے حالانکہ وہی اکابر مذکورہ حدیث (سائب بن یزیدؒ کی توثیق کرنے والے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ حضرات جب حدیث جابرؒ کی توثیق کریں تو قابل قبول، اور اگر حدیث سائب بن یزیدؒ کی توثیق کریں تو ناقابل قبول۔ آخر کیوں؟ حالانکہ ان اکابر کی طرف سے دونوں روایتوں کی توثیق میں واضح فرق موجود ہے۔ حدیث جابرؒ کی وہ صرف توثیق کرتے ہیں، نہ اس پر ان کا عمل ہے اور نہ رکعات تراویح کے لیے وہ اس سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ اوراق میں اس کی باحوالہ بحث گزر چکی ہے۔ اس کے برعکس وہ ابن ابی ذئب والی روایت کی توثیق بھی کرتے ہیں، اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور اس سے استدلال بھی کرتے ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ العزیز اس کی بحث آئندہ اوراق میں آئے گی۔

عن محمد بن جعفر عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر. یعنی ہم عہد فاروقیؓ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ (معرفۃ السنن والاثار للبیہقی ج ۴ ص ۴۲۔ کنز العمال ج ۸ ص ۲۶۴) علامہ سبکیؒ، امام نوویؒ، اور ملا علی قاریؒ اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیے العلین الحسن ص ۲۰۴۔ آثار السنن ج ۲ ص ۵۴۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۵)

غیر مقلدین اس روایت کی سند پر تو کوئی اعتراض تلاش نہ کر سکے البتہ اسے مرسل قرار دے کر قبول کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ مرسل روایت کے قبول کرنے میں اگرچہ ائمہ اہل سنت کے درمیان

اختلاف موجود ہے لیکن جمہور ائمہ اہل سنت مرسل روایت کو قبول اور اس سے استدلال کرتے ہیں چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے۔ (کتاب العلل ج ۲ ص ۲۳۹) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر فقہاء کے نزدیک مرسل حدیث بھی حجت ہے۔ (مقدمہ مسلم ص ۱۷) امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن جریرؒ نے فرمایا کہ تابعین سب کے سب مرسل کے قابل احتجاج ہونے پر متفق تھے۔ دوسری صدی کے آخر تک کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ بقول علامہ ابن عبدالبرؒ امام شافعیؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے مرسل کے ساتھ احتجاج کا انکار کیا ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۲۰) نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ مراہیل کے ساتھ گزشتہ زمانے میں علماء احتجاج کرتے تھے مثلاً سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ لیکن جب امام شافعیؒ آئے تو انہوں نے مراہیل کی حجت میں کلام کیا۔ (الھدٰی فی ذکر الصحاح السّیۃ ص ۱۰۶)

معلوم ہوا کہ خیر القرون میں امام شافعیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مرسل روایت کی حجت سے انکار کیا لیکن امام شافعیؒ کا انکار بھی چند شرائط پر مبنی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مرسل کے ساتھ اگر تقویت پہنچانے والی کوئی چیز مل جائے تو وہ مرسل بھی حجت ہوگی مثلاً کوئی مسند یا دوسری مرسل روایت اس کی تائید میں موجود ہو یا بعض صحابہؓ یا اکثر علماء کا اس پر عمل ہو۔ (مقدمہ مسلم ص ۱۷)

اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ ہماری پیش کردہ دوسری روایت دیگر تمام ائمہ کرامؒ کے نزدیک اس لیے حجت ہے کہ وہ مرسل کو حجت مانتے ہیں۔ باقی رہے امام شافعیؒ تو وہ ان کے نزدیک بھی حجت ہے کیونکہ یہ ان کی تمام شرائط پر پوری اترتی ہے۔ وہ مرسل روایت کو حجت ماننے کے لیے اپنی پیش کردہ شرائط میں سے صرف ایک شرط کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن یہاں تو یہ روایت ان کی ہر شرط پر پورا اترتی ہے۔ مثلاً:

(۱) وہ فرماتے ہیں کہ وہ مرسل روایت حجت ہے جس کی تائید میں کوئی مسند روایت موجود ہو تو ہماری پیش کردہ اس روایت کی تائید میں دو مسند روایتیں موجود ہیں۔ پہلی حدیث ابن عباسؓ اور دوسری حدیث جابرؓ (میں رکعت والی)۔

(۲) وہ فرماتے ہیں کہ وہ مرسل روایت حجت ہے جس کی تائید میں کوئی دوسری مرسل روایت

موجود ہو تو ہماری پیش کردہ اس روایت کی تائید میں ایک نہیں، متعدد مرسل روایات موجود ہیں جیسا کہ آپ اسی باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(۳) وہ فرماتے ہیں کہ وہ مرسل روایت حجت ہے جس پر بعض صحابہ کا عمل ثابت ہو تو ہماری اس پیش کردہ روایت پر ہمارے نزدیک تو صحابہ کرام کا عملی اجماع ثابت ہے جیسا کہ آئندہ سطور میں ان شاء اللہ العزیز اس پر بحث آئے گی۔ لیکن بعض صحابہ کرام کا اس پر عمل تو غیر مقلدین کے ہاں بھی ثابت ہے جیسا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۵۳ میں، مولانا محمد اسماعیل سلفی تحریک آزادی فکر ص ۲۳۲ میں، مولانا ابوالبرکات فتاویٰ برکاتیہ ص ۸۱ میں اور مولانا عبدالرحمن کیلائی آئینہ پرویزیت حصہ پنجم ص ۸۲۳ میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے۔ اس اعتبار سے بھی ہماری پیش کردہ روایت امام شافعی کے نزدیک حجت قرار پاتی ہے۔

(۴) وہ فرماتے ہیں کہ وہ مرسل روایت حجت ہے جس پر اکثر علما کا عمل ثابت ہو تو ہماری پیش کردہ اس روایت پر ہمارے نزدیک تو اجماع امت ہے لیکن غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس پر اکثر علما کا عمل ثابت ہے حتیٰ کہ خود امام شافعی کا اس پر اپنا عمل ثابت ہے۔ آئندہ ابواب میں اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے باوجود اسے قبول کرنے سے انکار کرنا ایک خالص غیر مقلدانہ (یعنی احقانہ) حرکت ہے۔

ثَبَّتَ رَوَايَتُ : عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَصِيفَةَ عَنْ

السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَهَا عَشْرُونَ رَكْعَةً . كَ تَرَاوِخَ بَیْسِ رَكَعَاتٍ هِیْ . (فتح الباری

ج ۴ ص ۲۵۳۔ السنن الصغیر للبیہقی ج ۱ ص ۲۳۷) قاضی شوکانی غیر مقلد فرماتے ہیں: وفی

الموطأ من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید انها عشرون

رکعة (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۹۸) علامہ زلیعی، امام نووی اور امام بغوی فرماتے ہیں کہ

اس کی سند صحیح ہے۔ (نصب الراية ج ۲ ص ۱۵۴۔ مرقاة ج ۳ ص ۱۹۴۔ شرح السنہ ج ۴ ص ۱۲۰)

اس روایت سے بھی صاف اور واضح الفاظ میں ثابت ہے کہ عہد فاروقی میں تراویح بیس رکعات

ہی پڑھی جاتی تھیں۔

﴿عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ﴾ : اس روایت پر غیر مقلدین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ روایت موطا میں موجود نہیں حالانکہ یہ اعتراض سراسر باطل و مردود ہے کیونکہ یہ حقیقت یقیناً غیر مقلدین سے بھی پوشیدہ نہیں کہ موطا کے بے شمار نسخے ہیں جن میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ”بستان المحدثین“ میں موطا کے سولہ نسخوں کا ذکر فرمایا ہے جبکہ بعض نسخوں تک ان کی رسائی بھی نہیں ہو سکی۔ غور فرمائیے کہ علامہ عبدالرحمن بن خلدون المالکیؒ کے نزدیک احادیث موطا کی کل تعداد تین سو کے قریب ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۷) جبکہ علامہ ابن المدینیؒ کے نزدیک ان کی تعداد ایک ہزار ہے۔ (تاریخ الحدیث لعبد الصمد صارم ص ۸۱) جب موطا میں مروی روایات کی تعداد میں ہی اقوال متفرق ہیں اور فرق سینکڑوں سے متجاوز ہے تو یقینی بات ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور قاضی شوکانیؒ کی رسائی موطا کے کسی ایسے نسخے تک ضرور ہوگی جس میں مذکورہ روایت موجود ہو۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ امام مالکؒ سے تقریباً ایک ہزار علما نے موطا کو نقل کیا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

چند روایات: عن حارث بن عبد الرحمن عن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القيام علی عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة .

یعنی لوگ عہد فاروقی میں ۲۳ رکعت پڑھتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۶۲)

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس میں تین وتر ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

بعض غیر مقلدین نے اس روایت میں ثلاث وعشرين ركعة کے جملے کو ابن ابی ذباب کا وہم قرار دے کر اس روایت کو رد کرنے کی مذموم کوشش کی ہے لیکن یہ اس صورت میں وہم تسلیم کیا جاتا کہ دیگر روایات سے متصادم ہوتا۔ جب یہ جملہ دیگر اکثر روایات کے عین مطابق ہے تو اسے وہم کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

سابقہ روایات: عن دناود بن قیس عن محمد بن يوسف عن

السائب بن یزید۔ حضرت عمرؓ نے ماہ رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ پر

جمع کیا علیٰ احدى وعشرين ركعة اور انہوں نے اکیس رکعات پڑھائیں۔ (مصنف عبد

الرزاق ج ۴ ص ۲۶۰) علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک وتر تھا۔ (عمدة

القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

گزشتہ روایت میں تیئیس رکعات کا اور اس میں اکیس رکعات کا جو ذکر ہے، اس کا فرق بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اکیس اور تیئیس کا اختلاف و تروں کی وجہ سے تھا۔ کبھی ایک وتر پڑھا جاتا تھا اور کبھی تین۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۲) یہ روایت بھی بیس رکعت تراویح پر صریح دلیل ہے۔

الشیخ البانی کا عجیب التعلیل: الشیخ ناصر الدین البانی اس روایت کی

صحت سے تو انکار نہ کر سکے البتہ یہ اعتراض کر دیا کہ امام عبد الرزاق بن الہمام کی آخر عمر میں بینائی ختم ہو

گئی تھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا حافظ ابن ہمامؒ نے یہ کتاب نایبنا ہونے کے بعد مرتب کی تھی؟ اور پھر کیا ان

کے نایبنا ہونے کا اثر صرف اسی ایک روایت پر پڑے گا یا گیارہ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ان کی پوری

”مصنف“ متاثر ہوگی؟ خدا تعالیٰ ضد اور ہٹ دھرمی سے محفوظ فرمائے کہ یہ اچھے بھلے سکار کو بھی غیر مقلد

بنادیتی ہے۔

چشمی روایت : عن محمد بن اسحاق عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد قال كنا نصلی فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان ثلاث عشرة رکعة . یعنی ہم رمضان المبارک کے اندر عہد فاروقی میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۳)

تیرہ رکعت تراویح کا مسلک محمد بن اسحاق کا تھا۔ (عمدة القاری ج ۱۱ ص ۱۲۶) وہ فرماتے تھے : وهذا اثبت ما سمعت فی ذالک ۔ میں نے اس بارے میں جتنی روایات سنی ہیں، ان میں زیادہ ثابت تیرہ رکعت ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۴) بلکہ وہ فرماتے ہیں، میں نے گیارہ رکعت کی کوئی حدیث نہیں سنی کیونکہ آنحضرت ﷺ کا انت لہ من اللیل ثلاث عشرة رکعة ۔ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۷ و عمدة القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

سائقین روایت : عن عبد العزيز بن محمد عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد كنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدى عشرة رکعة . ہم عہد فاروقی میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اس کی ہر رکعت میں سو سو آیات کی تلاوت کرتے تھے۔ طول قیام کی وجہ سے لاشیوں کا سہارا لیتے اور طلوع فجر کے قریب گھروں کو واپس لوٹتے تھے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۳ ص ۳۴۹)

آلثقییین روایت : عن يحيى بن سعيد القطان عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد . ہم عہد فاروقی میں نماز پڑھتے تھے احدى عشرة رکعة (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲)

یہ بھی محمد بن یوسف کا وہم ہے جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ مذکورہ گیارہ اور تیرہ رکعات والی روایات کے درمیان تطبیق پیدا کرتے ہوئے مولانا عبد اللہ غازی پوریؒ غیر مقلد فرماتے ہیں کہ اسی طرح ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں لوگ تیرہ رکعتیں پڑھتے رہے ہوں اور اول کی دو رکعتوں کے ہلکے ہونے سے سائب بن یزیدؒ بھی ان کا شمار کرتے ہوں اور تیرہ رکعت روایت کرتے ہوں اور کبھی نہیں شمار کرتے ہوں اور گیارہ روایت کرتے ہوں۔ (فتاویٰ علماء حدیث ج ۶ ص ۲۲۲) گویا مولانا غازی

پورٹی کے نزدیک بھی عہد فاروقی میں گیارہ رکعت کی بجائے تیرہ رکعت زیادہ یقینی ہیں۔ کاش وہ سائب بن یزید کی بیس رکعت والی روایات پر بھی ایک نظر ڈال لیتے اور ان میں بھی تطبیق پیدا کرنے کی کوشش فرما لیتے لیکن غالباً انہوں نے محمد بن اسحاق کے احسان کا بدلہ چکایا ہے اور اس کا دفاع اس لیے ضروری سمجھا ہے کہ اس کی روایت فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں ان کے موقف کا دفاع کرتی ہے۔ انہوں نے اس کے لیے اپنا گیارہ رکعت والا مسلک بھی قربان کر دیا۔ گویا اس کے لیے انہوں نے حدیث عائشہؓ اور حدیث جابرؓ سے دست برداری اختیار کر لی۔

ثَوْبَانُ رَوَى عَنْ : عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ . حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم دارمیؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں اور قاری ہر رکعت میں سو سو آیات تلاوت کرتا تھا یہاں تک کہ طول قیام کی وجہ سے ہم لاثیوں کا سہارا لیتے اور طلوع فجر کے قریب ہماری واپسی ہوتی۔ (موطا امام مالک ص ۹۸۔ کنز العمال ج ۸ ص ۲۶۳)

اس روایت میں بھی احدى عشرۃ کا جملہ محمد بن یوسف کا وہم ہے۔ ہم ساتویں اور آٹھویں روایت کے ضمن میں بھی یہ بیان کر چکے ہیں کہ ان میں احدى عشرۃ کا جملہ محمد بن یوسف کا وہم ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ غیر مقلدین کی طرح بلا دلیل نہیں بلکہ اس پر ہمارے پاس ٹھوس دلیل موجود ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البرؒ مالکی (جو کہ امام مالکؒ کے مقلد اور موطا امام مالک کے بہت بڑے شارح ہیں) فرماتے ہیں کہ هذه الرواية وهم والذى اصح انهم كانوا يقولون على عهد عمر بعشرين ركعة۔ یہ گیارہ رکعت والی روایت وہم ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ عہد فاروقی میں لوگ بیس رکعت ادا کرتے تھے۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۲) اب یہ وہم کس کا ہے؟ علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک اکیس رکعت والی روایت زیادہ صحیح ہے ولا اعلم احدا قال فيه احدى عشرۃ ركعة الا مالک الاغلب عندی ان قوله احدى عشرۃ وهم۔ میں نہیں جانتا کہ امام مالکؒ کے علاوہ کسی نے گیارہ رکعت کی روایت نقل کی ہو لہذا میرے نزدیک یہ گیارہ رکعت کا جملہ امام مالکؒ کا وہم ہے۔ (زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۱۵۔ المصانح ص ۱۵۔ التمهید ج ۱ ص ۱۱۳۔ الحاوی للفتاویٰ ص

(۳۵۰) جبکہ علامہ ظفر احمد عثمانی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہم امام مالکؒ کا نہیں بلکہ محمد بن یوسف کا ہے۔ فانہ قال مرة احدى وعشرين ومرة احدى عشرة وثلاثة عشر۔ وہ کبھی اکیس رکعت روایت کرتا ہے، کبھی تیرہ رکعت اور کبھی گیارہ رکعت۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۷۳) اور محمد بن یوسف کی متفرق روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہم اسی کا ہے۔ اس کی مزید تفصیل آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیے۔

عن انس بن مالك بن انس عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة . یعنی عہد فاروقیؓ میں لوگ تیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (موطا امام مالک ص ۴۰۔ شعب الایمان ج ۳ ص ۱۷۷) امام بغویؒ اور علامہ نیویؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ص ۲۰۵۔ شرح السنن ج ۴ ص ۱۲۰) البتہ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل ہونے ہی کی وجہ سے میاں نذیر حسین دہلویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، منقطع ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۶۳۷)

گویا اس روایت میں اس کے سوا کوئی کمزوری نہیں کہ یہ مرسل ہے اور مرسل کی حجت پر ہم گزشتہ اوراق میں بحث کر چکے ہیں لیکن یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ روایت مراسل موطا میں سے ہے اور موطا کے مراسل بلا اختلاف حجت ہیں یعنی یہ روایت مراسل موطا میں سے ہونے کی بنا پر بھی حجت ہے اور امام شافعیؒ کی شرائط کے مطابق بھی۔ (امام شافعیؒ کی شرائط گزشتہ اوراق میں پھر ملاحظہ فرما لیجیے)

عن انس بن مالك بن انس عن يحيى بن سعيد القطان عشرين ركعة (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲) علامہ نیویؒ فرماتے ہیں رجالہ ثقات لیکن یحییٰ بن سعید نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ (العلیق الحسن ص ۲۰۶) گویا اس روایت میں بھی مرسل ہونے کے علاوہ کوئی کمزوری نہیں اور مرسل کی حجت واضح ہو چکی۔

عن حسن بن عبد العزيز بن رفيع كان ابی بن

كعب يصلى بالناس فى رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث .

یعنی ابی بن کعب ماہ رمضان کے اندر مدینہ میں بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے۔ (ابن

ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳۔ عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۶۰) امام بغویؒ اس کی سند کو صحیح اور علامہ

نیویؒ اسے مرسل قوی فرماتے ہیں۔ (شرح السنہ ج ۳ ص ۱۲۲۔ آثار السنن ص ۲۰۶)

جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے مدرس الشیخ محمد علی الصابونیؒ نے بیس رکعت تراویح کے لیے اس

روایت سے استدلال کیا ہے۔ (الہدی النبویؒ الصحیح ص ۵۶) اس روایت پر بھی صرف مرسل ہونے کا

اعتراض ہے کیونکہ عبدالعزیز بن رفیع نے حضرت ابی بن کعبؓ کو نہیں دیکھا۔

تَبْرِهْنِي رَوَيْتُ عَنْ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي بَنِ كَعْبٍ فَكَانَ يَصَلِّي لَهُمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً .

یعنی ابی بن کعب عہد فاروقیؓ میں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۲)

ابوداؤد کے بعض نسخوں میں عشرين لیلة اور بعض میں عشرين ركعة کے الفاظ ہیں اسی لیے

ابوداؤد کے حوالے سے صاحب مشکوٰۃ، امام بیہقی، اور علامہ زیلعی وغیرہ ائمہ عشرين لیلة کے الفاظ نقل

کرتے ہیں جبکہ علامہ ذہبیؒ، سید امیر علی رام پوریؒ اور مولانا فیض الحسن سہارن پوریؒ وغیرہ ائمہ عشرين

ركعة کے الفاظ نقل کرتے ہیں اور ابوداؤد کے ہمارے ہاں مروجہ نسخے میں بھی عشرين ركعة کے

الفاظ منقول ہے۔ مولوی عنایت اللہ اثری غیر مقلد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے

مولانا سید امیر علی رام پوریؒ نے ۱۳۱۴-۱۸۹۶ء میں بحوالہ ابوداؤد عین الہدایہ ج ۱ ص ۵۳۲ میں عشرين

لیلة کو عشرين ركعة بنادیا اور ۱۳۴۵-۱۹۲۶ء میں مولوی فیض الحسن دیوبندیؒ نے جو ابوداؤد طبع

کرائی، اس میں بھی عشرين ركعة طبع کرا دیا۔ (مکاشب العجایہ ص ۱۰۳)

اثری صاحب کا یہ الزام سراسر غیر مقلدانہ ہے کیونکہ مولانا سید امیر علی رام پوریؒ سے تقریباً

ساڑھے پانچ سو سال قبل علامہ شمس الدین ذہبیؒ الشافعی آٹھویں صدی ہجری میں اپنی معروف کتاب

”سیر اعلام النبلاء“ میں بحوالہ ابوداؤد عشرين ركعة کے الفاظ نقل فرما چکے ہیں اور اگر بالفرض اس کی ذمہ

داری سید امیر علی رام پوریؒ پر بھی ڈالی جائے تو بھی علماء احناف اس سے بری الذمہ ہیں کیونکہ متعصب

غیر مقلد اسکا لرحمد اسحاق بھی لکھتے ہیں کہ مولانا سید امیر علی، سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد اور مسلک اہل حدیث تھے۔ (فقہائے ہند ج ۵ ص ۵۹)

﴿لَا يَشْفَعُ شَيْءٌ مِّنْهُنَّ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ : غیر مقلدین کی یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ وہ علماء احناف کے ناقابل تردید دلائل سے عاجز آ کر بسا اوقات حدیث کے الفاظ کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مسلم شریف کی حدیث ابو موسیٰ اشعرؓ میں اذا قرأ فانصتوا کے الفاظ کے مستند ہونے سے انکار کر دیا۔ رئیس الاحناف حضرت مولانا عبد العزیز صاحبؒ محدث گوجرانوالہ نے اس پر گرفت کی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ فریقین کے درمیان ثالث قرار پائے اور انہوں نے مولانا امرتسریؒ کے خلاف مولانا عبد العزیزؒ کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس کی روداد ”کیفیت مناظرہ تحریری“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ علامہ ندویؒ کے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے (بلکہ مولانا امرتسریؒ کی علمی بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے) مولوی عنایت اللہ اثری فرماتے ہیں کہ ”چونکہ تیر نکل چکا تھا اس لیے وہی ہوا جس کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا (یعنی فیصلہ خلاف ہو گیا) محترم مولانا (امرتسریؒ) صاحب چونکہ اخباری مشاغل اور مناظرانہ احتضار کی وجہ سے تدریس حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اس لیے مخارج حدیث میں موصوف کی نظر وسیع نہیں ہو سکی۔“ (البیان المستطاب ص ۳۸)

اب اگر غیر مقلدین ابوداؤد کے کسی نسخے میں عشرين رکعة کے الفاظ کا انکار کرتے ہیں تو اسے ان کی عادت ثانیہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

چند صحابہؓ روایت : عن يحيى بن سعيد الانصاري عن عمر امر رجلا ان يصلي بهم عشرين ركعة . حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۳۸۴۔ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) امام بغویؒ اور علامہ نیوئیؒ اس کی سند کو مرسل قوی فرماتے ہیں۔ (شرح السنہ ج ۴ ص ۱۲۲۔ آثار السنن ص ۲۰۶)

بعض صحابہؓ روایت : عن محمد بن كعب القرظي كان الناس

یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرين رکعة یطیلون فیها القراءة ویوترون بثلاث. لوگ عہد فاروقیؓ میں طویل قراءت اور تین وتروں کے ساتھ بیس رکعات قیام رمضان کرتے تھے۔ (قیام لللیل ص ۱۵۷)

عن مالک عن داود بن الحصین عن الاعرج. ماہ رمضان میں لوگ تراویح کے اندر کفار پر لعنت بھیجتے۔ امام آٹھ رکعت میں سورہ بقرہ ختم کرتا۔ فاذا قام بها فی الثنتی عشرة رکعة رای الناس انه قد خفف۔ جب کبھی بارہ رکعت میں سورہ بقرہ پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے نماز، ہلکی کر دی۔ (موطا امام مالک ص ۹۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقیؓ میں رکعات تراویح بارہ سے زائد تھیں۔ عموماً قاری آٹھ رکعت میں سورہ بقرہ پڑھتا اور باقی رکعات میں اس کے علاوہ منزل پڑھتا۔ اور اگر کبھی سورہ بقرہ آٹھ رکعت کی بجائے بارہ رکعات میں پڑھتا تو قیام مختصر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو نماز ہلکی محسوس ہوتی۔ گویا اس روایت میں بارہ سے زائد کی نفی موجود نہیں لیکن مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ عمر بن الخطاب میں عام طور پر آٹھ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں اور کبھی کبھی بارہ رکعت پڑھ لی جاتی تھیں۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۶۳۷)

حالانکہ اس روایت میں قراءۃ و قیام کے طول و اختصار کا ذکر ہے، تعین رکعات کا اس میں تذکرہ تک موجود نہیں بلکہ سیاق کلام تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ رکعات بارہ سے زائد تھیں اور دیگر روایات سے اسے ملایا جائے تو وہ بیس تھیں۔ اسی لیے علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بیس تراویح کے لیے یہ حدیث صحیح قوی دلیل ہے اور صحابہؓ کے زمانے میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ (ملفوظات محدث کشمیری ص ۳۶۵) لیکن اگر بالفرض صرف بارہ بھی تسلیم کر لی جائیں تو آٹھ کی قطعیت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر نہ حدیث عائشہؓ باقی رہتی ہے نہ حدیث جابرؓ اور نہ حدیث محمد بن یوسفؒ۔ کیا غیر مقلدین یہ اشتہار شائع کرنے کے لیے تیار ہیں کہ رکعات تراویح عہد فاروقیؓ میں بارہ بھی ثابت ہیں، لہذا کبھی آٹھ اور کبھی بارہ پڑھنی چاہئیں؟

سنن ترمذی روایت: عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امره ان یصلی باللیل فی رمضان فصلی بهم عشرين رکعة. حضرت عمرؓ نے مجھے تراویح پڑھانے کا حکم دیا پس میں نے ان کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۴۸۴)

غور فرمائیے مذکورہ سترہ روایت میں سے بارہ روایات بیس رکعات تراویح کا ثبوت فراہم کرتی ہیں، تین روایات گیارہ رکعات کی خبر دیتی ہیں، ایک روایت تیرہ رکعات کی نشان دہی کرتی ہے اور ایک روایت میں بارہ رکعات تک کا ثبوت موجود ہے اور اس سے زائد کی نفی موجود نہیں۔

مذکورہ روایات کی روشنی میں اس بحث کا دل چسپ پہلو یہ ہے کہ اختلاف رکعات صرف ایک راوی محمد بن یوسف کے سلسلہ روایت میں پایا جاتا ہے۔ باقی تمام سلسلوں میں وحدت موجود ہے۔ تفصیل کے لیے صفحہ ۷۸ تا ۸۰ پر مذکورہ روایات کے دو نقشے ملاحظہ فرمائیں۔

سنن لایف اسنن ابی داؤد سنن ترمذی سنن ابی یوسف: ہم بصراحت ثابت کر چکے ہیں کہ مذکورہ تمام روایات مرسل ہونے کے باوجود صحیح اور قابل عمل ہیں لیکن غیر مقلدین انہیں قبول نہ کرنے پر بضد ہیں۔ اگر ہم بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیں کہ یہ تمام روایات ضعیف ہیں تو بھی ضعیف روایات کا مجموعہ حسن کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جیسا کہ مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ ولو سلم ان کلھا ضعیفۃ فھی مجموعھا تبلغ درجۃ الحسن یعنی اگر تسلیم کر لیا جائے کہ روایت کے تمام طرق ضعیف ہیں تو بھی سب کا مجموعہ حسن کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ (ابکار السنن ص ۲۰۲) کس قدر حیرت کی بات ہے کہ غیر مقلدین کی ضعیف روایات کا مجموعہ بھی حسن کا درجہ حاصل کرتا ہے اور ہماری مرسل روایات (جو جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک ویسے ہی قابل قبول ہیں) کا مجموعہ بھی یہ درجہ حاصل کرنے سے محروم ہے۔

اسلاف امت کا استدلال: اس تفصیلی بحث کی روشنی میں اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مذکورہ سترہ روایات میں سے اسلاف امت نے کن روایات سے استدلال کیا ہے اور کن پر عمل کیا ہے۔ وہی روایات ہمارے لیے قابل قبول ہوں گی۔ آئیے اسلاف امت کا استدلال ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ یزید بن رومان اور یزید بن خثیمہ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عن عمرؓ انہ جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بہم فی شہر رمضان عشرين رکعة۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا اور انہوں نے بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔ (تلخیص الحمیر ج ۲ ص ۱۲۔ الدراریہ فی تخریج الہدایہ ج ۱ ص ۱۲۳)

(۲) امام ابن تیمیہؒ انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فلما جمعہم عمر علی ابی بن کعب کان یصلی بہم عشرين رکعة۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۲ ص ۲۷۲)

(۳) علامہ تاج الدین سبکی الشافعیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ومذہبنا ان التراویح عشرون رکعة لما روی البیہقی وغیرہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید۔ بتبعی نے سائب بن یزید سے صحیح سند کے ساتھ جو روایت نقل کی ہے، اس کی بنا پر ہمارا مذہب یہی ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۰)

(۴) امام جلال الدین سیوطیؒ الشافعیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: وفي سنن البیہقی وغیرہ باسناد صحیح عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بعشرين رکعة۔ سند صحیح سے ثابت ہے کہ عہد فاروقیؓ میں لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۲۳۸)

(۵) امام محی الدین نووی الشافعیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واحتج اصحابنا لما رواه البیہقی وغیرہ بالاسناد الصحیح عن السائب بن یزید..... عشرين رکعة۔ ہمارے اصحاب کا استدلال صحیح سند سے ثابت بیس رکعات والی روایت سے ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۳ ص ۳۲)

(۶) امام موفق الدین ابن قدامہؒ الحنبلیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے

فہرست 1

مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶۲	عشرین رکعہ	۱	ابن ابی ذباب	۱	حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ
اسنن الکبریٰ ج ۳ ص ۴۹۶	ابن ابی ذئب - عشرین رکعہ	۱			
معرفت اسنن والا ج ۳ ص ۴۲	محمد بن جعفر - عشرین رکعہ	۲	یزید بن صفیہ	۲	
فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۳	مالک بن انس - عشرین رکعہ	۳			
عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶۰	داؤد بن قیس - احدى وعشرین	۱			
فتح الباری ج ۳ ص ۲۵۳	محمد بن اسحاق - ثلث عشرہ رکعہ	۲			محمد بن یوسف
الحاکم للفتاویٰ ج ۳ ص ۳۲۹	عبدالعزیز بن محمد - احدى عشرہ رکعہ	۳			
ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۹۲	یحییٰ بن سعید - احدى عشرہ رکعہ	۴			
موطا امام مالک ص ۹۸	مالک بن انس - احدى عشرہ رکعہ	۵			

نقشہ نمبر ۱ میں سلسلہ روایت حضرت سائب بن یزید سے شروع ہوتا ہے اور ان سے ان کے تین شاگرد روایت کرتے ہیں۔ پہلے شاگرد ابن ابی ذباب ان سے تین رکعات کی روایت کرتے ہیں۔ دوسرے شاگرد یزید بن صہیفہ اپنے تین شاگردوں (ابن ابی ذئب محمد بن جعفر اور مالک بن انس) کے ذریعے ان سے تین رکعات کی روایت بلا اختلاف نقل کرتے ہیں۔ تیسرے شاگرد محمد بن یوسف اپنے پانچ شاگردوں کے ذریعے ان سے تین مختلف روایات نقل کرتے ہیں۔ تین شاگردوں (عبداللہ بن یزید محمد بن یحییٰ بن سعید اور مالک بن انس) کے ذریعے گیارہ رکعات کی ایک شاگرد محمد بن اسحاق کے ذریعے تیرہ رکعات کی اور ایک شاگرد داؤد بن قیس کے ذریعے اکیس رکعات کی روایت نقل کرتے ہیں۔ گویا ساری گزیرا ہی تیسرے شاگرد کی متفرق روایات میں ہے لہذا اصول کے مطابق تیسرے شاگرد کی متفرق روایات میں سے وہی روایت قبول کی جاسکتی ہے جو باقی شاگردوں کی روایات کے مطابق ہے اور وہ اکیس رکعات والی روایت ہے (یعنی تین تراویح اور ایک وتر) دیگر تمام روایات کو وہم راوی قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے گا۔

پھر اس بحث کا یہ پہلو بھی دل چسپی سے خالی نہیں کہ تیسرے شاگرد (محمد بن یوسف) سے گیارہ رکعات کی روایات نقل کرنے والے دو شاگردوں کی اپنی روایات باہم تضاد میں ہیں۔ ان میں سے ایک شاگرد یحییٰ بن سعید اقطان ہیں جن سے دو روایات منقول ہیں۔ ایک گیارہ رکعات کی (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲ میں) اور دوسری تین رکعات کی (ابن ابی شیبہ ہی میں) چونکہ ان کی تین رکعات کی روایت دیگر روایات سے ملتی ہے اس لیے اسے قبول کیا جائے گا اور گیارہ رکعات والی روایت کو ان کے استاد محمد بن یوسف کا ہم قراردے کر چھوڑ دیا جائے گا۔

غور فرمائیے کہ حضرت سائب بن یزید کے تیسرے شاگرد (محمد بن یوسف) کے پانچ شاگردوں میں سے جو تین شاگرد (عبداللہ بن یزید محمد بن یحییٰ بن سعید اور مالک) گیارہ رکعات کی روایت نقل کرتے ہیں، ان میں سے بھی دو شاگرد (یحییٰ بن سعید اور مالک) تین رکعات کی روایات کے بھی راوی ہیں۔ اس صورت حال میں گیارہ رکعات کی روایت کو کہیں دور بین سے ہی تلاش کیا جاسکتا ہے۔

فہرست نمبر 2

فتح الہباری ج ۲ ص ۲۵۳	عشرین رکعہ	امام	یزید بن صفیہ	۱
ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۲	عشرین رکعہ	مالک بن انس	یحییٰ بن سعید القطان	۲
موطا ص ۹۸	عشرین رکعہ	رحمۃ اللہ علیہ	یزید بن رومان	۳
موطا ص ۹۹	اثنی عشرہ رکعہ		داؤد بن الحصین	۴
موطا ص ۹۸	احدی عشرہ رکعہ		محمد بن یوسف	۵

اس واقعہ کے مطابق امام مالک رکعات تراویح کے بارے میں اپنے پانچ استادوں سے تین مختلف روایات نقل کرتے ہیں۔ تین استادوں (یزید بن صفیہ، یحییٰ بن سعید اور یزید بن رومان) سے تین رکعات کی، ایک استاد محمد بن یوسف سے گیارہ رکعات کی، اور ایک استاد داؤد بن الحصین سے کم از کم گیارہ رکعات کی جس میں زائد رکعات کی نفی نہیں ہوتی اور دیگر روایات کی روشنی میں وہ تیس رکعات پر ہی دلالت کرتی ہے لہذا ان میں سے باقی تمام روایات کو قبول کیا جائے گا اور گیارہ رکعات والی روایت کو تاہم راوی قرار سے کر نظر انداز کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء مالکیہ کے ممتاز ترجمان علامہ ابن عبد البرؒ اسے وہم راوی ہی قرار دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ولنا ان عمر لما جمع الناس علی ابی بن کعب کان یصلی لهم عشرين رکعة۔ ہمارے لیے یہ دلیل ہے کہ ابی بن کعب بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (المغنی ج ۱ ص ۷۹۹)

(۷) علامہ ابن عبد البر مالکیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وهو الصحيح عن ابی بن کعب عشرين رکعة من غير خلاف من الصحابة۔ صحیح بات یہی ہے کہ ابی بن کعبؒ بغیر اختلاف صحابہؓ کے بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۲۷)

(۸) الشیخ عبد الحق محدث دہلویؒ الحنفیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عندنا عشرون رکعة لما روی البیهقی باسناد صحیح۔ ہمارے نزدیک یہی صحیح کی سند صحیح کے ساتھ بیس رکعات تراویح ہی ثابت ہیں۔ (ما ثبت بالنسب ص ۲۰۹)

(۹) محشی بخاری مولانا احمد علی سہارنپوریؒ الحنفیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واحتج اصحابنا والشافعية والحنابلة بما رواه البیهقی باسناد صحیح عن السائب بن یزید عشرين رکعة یعنی ہمارے اصحاب احناف، شوافع اور حنابلہ بیس رکعت والی صحیح روایت سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۰۱) اس بارے میں حوالہ جات بکثرت موجود ہیں۔ ہم نے اہل السنۃ والجماعت کے چاروں مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے چند مستند اکابر کے حوالہ جات پر اکتفا کیا ہے جو عہد فاروقیؓ کی بیس رکعات والی روایات سے باقاعدہ استدلال کرتے ہیں اور انہی روایات پر ان کا عمل بھی ہے۔

شیخ رشید رحمہ اللہ سے ایک سوال: جبکہ غیر مقلدین حضرت صرف نقل روایت سے دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ اگر تعامل سلف کے بغیر صرف نقل روایت دلیل بن سکتی تو بخاری شریف کی بے شمار ایسی روایات کو امام بخاریؒ اور (بخاری بخاری کرنے والے غیر مقلدین) کا مذہب قرار دیا جاسکتا ہے جن پر امام بخاریؒ سمیت اسلاف امت کا عمل نہیں بلکہ انہی روایات کی آڑ میں منکرین حدیث انکار حدیث کی تحریک پر عمل پیرا ہیں۔ اس لیے غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ اکابر امت کے چند

ایسے حوالے پیش کریں جن میں انہوں نے عہد فاروقی کی آٹھ رکعات والی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ان پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی ہو لیکن ہمارا چیلنج ہے کہ ان شاء اللہ العزیز قیامت تک ایسا نہ کر سکیں گے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے بارے میں آٹھ رکعات پڑھنے کا جو حوالہ پیش کیا جاتا ہے، ہم ثابت کریں گے کہ ان کی طرف منسوب یہ روایات صحیح نہیں۔

روایات صحیحہ: اس مقام پر ہم اس بحث کو بھی تشنہ نہیں چھوڑنا چاہتے کہ موطا امام مالکؒ کی آٹھ رکعات والی روایت جب صحت و ثقاہت کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے تو اس میں وہم راوی کے نظریہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے استدلال کیوں درست نہیں؟ تو اس کے بارے میں یہ بات ذہن نشین رکھیے کہ ہم غیر مقلدین کی طرح فرضی اور ہوائی باتوں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ بحمد اللہ تعالیٰ اسلاف امت کی تحقیقات کی روشنی میں باحوالہ بات کرتے ہیں۔ ہم نے روایات کی تفصیل نقشہ کی صورت میں سامنے لا کر واضح کیا تھا کہ احدی عشرۃ رکعۃ کا جملہ ہم راوی معلوم ہوتا ہے اور اس کے لیے ہم نے حافظ ابن عبد البرؒ المالکی کا حوالہ بھی دیا تھا لیکن بعض ائمہ اہل سنت اس جملہ کو وہم راوی قرار دینے کے بجائے گیارہ رکعات تراویح کے عمل کو عہد فاروقی کے ابتدائی دور کا واقعہ تسلیم کرتے ہیں جسے بعد میں ترک کر کے بیس رکعات کا عمل اختیار کر لیا گیا۔ ہمیں ان ائمہ کرام کا یہ موقف تسلیم کرنے سے بھی انکار نہیں۔ ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو۔ چنانچہ:

(۱) امام ابو بکر بیہقی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ وکان عمر امر بهذا العدد زمانا ثم کانوا

یقومون علی عہدہ بعشرین رکعۃ یعنی عہد فاروقی میں کچھ عرصہ تک گیارہ رکعات پر عمل رہا پھر بیس رکعات کا عمل شروع ہو گیا۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۲۔ تحفۃ الاخیار ص ۱۹۱) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ویمکن الجمع بین الروایتین بانہم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم کانوا یقومون بعشرین یعنی دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ پہلے گیارہ رکعات کا عمل تھا، پھر بیس رکعات کا جاری ہو گیا۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶) نیز فرماتے ہیں ثم استقر الامر علی العشرین وهو المتواتر۔ پھر بیس رکعات پر عمل پختہ ہو گیا اور یہی عمل جاری ہو گیا۔ (بحوالہ فتح الملہم ج ۲ ص ۳۲۰) گویا امام بیہقی کے نزدیک آٹھ رکعات والی روایات سے استدلال اب اس لیے صحیح

نہیں رہا کہ اس پر تو عہد فاروقی میں ہی عمل متروک ہو چکا تھا اور اسی عہد میں یہ قاعدہ وضع کیا گیا تھا۔ چکا تھا۔

(۲) امام ابن حبیب المالکیؒ فرماتے ہیں کہ انہما کانت اولیٰ احدی عشرۃ رکعة لا انھم کانوا یطیلون القراءة فیہ فتقل ذالک علیہم فزادوا فی عدد رکعات وحفیف القراءة وکانوا یصلون عشرين رکعة غیر الوتر۔ عہد فاروقی میں پہلے ہی قراءت کے ساتھ گیارہ رکعات پڑھی جاتی تھیں جو طول قیام کی وجہ سے بوجہل محسوس ہونے لگیں۔ پھر قراءت مختصر کر کے رکعات بڑھا کر وتر کے علاوہ بیس کر دی گئیں۔ (تحفۃ الاخیار ص ۱۹۲) گویا امام ابن حبیبؒ کے نزدیک بھی گیارہ رکعات کا عمل عہد فاروقی میں ہی متروک ہو چکا تھا۔

(۳) علامہ ابن عبد البرؒ المالکیؒ فرماتے ہیں کہ اختار فی وقت تطویل القیام فجعلہ احدی عشرۃ وفی وقت عدد الركعات فجعلہا عشرين وقد استقر العمل علی ہذا یعنی پہلے طول قیام کے ساتھ گیارہ رکعات تھیں، پھر رکعات بڑھا کر بیس کر دی گئیں اور اسی پر مودہ پختہ ہو گیا۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۲۔ ہدایۃ السائل ص ۱۳۸) گویا علامہ ابن عبد البرؒ کے نزدیک بھی گیارہ رکعات کا جملہ وہم راوی نہیں تو متروک العمل ضرور ہے اور بیس رکعات پختہ ہیں۔

(۴) علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں پہلے یہ دو رکعات تھیں پھر وتروں سمیت تینیس رکعات ہو گئیں۔ قد عدد ما وقع فی زمان عمر کلاحد عشر۔ پھر اس بیس کے عدد پر عہد فاروقی میں ہی اجماع منعقد ہو گیا۔ (ارشاد الساری ج ۳ ص ۳۶۹۔ وجز السالک ج ۲ ص ۳۹۵) گویا علامہ قسطلانیؒ کے نزدیک بھی گیارہ رکعات کا عمل عہد فاروقی میں متروک اور وتر کے عمل پر اجماع ہو چکا تھا۔

(۵) علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ الحنفیؒ فرماتے ہیں: وخفف فی القراءة وکثفہ بازدياد الركعات فجعلہا عشرين مکان العشرة یعنی حضرت عمرؓ نے (طویل قیام کے لیے) قراءت میں تخفیف کر کے اس کی جگہ رکعات بڑھا دیں، پس وہ دس کے بجائے بیس رکعات ہو گئیں۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۲۰)

چنانچہ یہی موقف امام ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی کا زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۱۵ میں، امام جلال الدین سیوطی الشافعی کا الحادی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۴۹ میں، علامہ ملا علی قاری الحنفیؒ کا مرقات ج ۳ ص ۱۹۲ میں، نواب قطب الدین دہلویؒ غیر مقلد کا مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۶ میں، امام محی الدین نووی الشافعیؒ کا مرقات ج ۳ ص ۱۹۴ میں، امام محمد بن عبد الباقی زرقانی الشافعیؒ کا زرقانی ج ۱ ص ۲۱۵ میں اور نواب وحید الزمان خان غیر مقلد کا ترجمہ موطا میں منقول ہے۔ جب ان تمام ائمہ کرامؒ کے نزدیک گیارہ رکعات تراویح کا عمل عہد فاروقیؓ میں ہی متروک ہو چکا تھا اور اس کی جگہ بیس رکعات کا عمل بالاجماع جاری ہو چکا تھا تو پھر اسے اپنے عمل کی بنیاد کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ فاعتبروا یا اولی الالباب ان کتم تعقلون۔

بعض ائمہ کرامؒ کے نزدیک عہد فاروقیؓ کا ابتدائی عمل گیارہ کی بجائے تیرہ رکعات کا تھا جسے بعد میں ترک کر کے بیس رکعات کا عمل جاری کیا گیا چنانچہ امام عبد الوہاب شعرانی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ وکانوا یصلونها فی اول زمان عمر بثلاث عشرة رکعة ثم ان عمر بفعلها ثلاث وعشرین رکعة واستقر الامر علی ذالک فی الامصار۔ یعنی عہد فاروقیؓ میں ابتداء تیرہ رکعات پڑھی جاتی تھیں پھر حضرت عمرؓ نے عملاً حکم جاری فرمایا اور تیس رکعات ہو گئیں اور تمام شہروں میں اسی پر معاملہ پختہ ہو گیا۔ (کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۲۱)

حاصل بحث: عہد فاروقیؓ کی رکعات تراویح سے متعلق جملہ روایات کی فنی حیثیت اور ان کی روشنی میں اسلاف امت کے تحقیقی اقوال آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اس تفصیلی بحث کے بعد تین نکتہ نظر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

پہلا یہ کہ قیام رمضان میں سنت نبویؐ بیس رکعات ہیں اور عہد فاروقیؓ میں اسی کا احیا فرمایا گیا۔ اس بارے میں تیرہ اور گیارہ رکعات کی روایات وہم راوی پر مبنی ہیں۔

دوسرا یہ کہ سنت نبویؐ تیرہ رکعات ہیں اور عہد فاروقیؓ میں ابتداء اسی پر عمل جاری ہوا جو بعد میں تیرہ کے بجائے بیس رکعات کے عمل میں تبدیل کر دیا گیا اور پھر اسی پر اجماع ہو گیا۔ گیارہ رکعات کی

روایات وہم راوی پر مبنی ہیں۔

فہم: یہ کہ سنت نبوی گیارہ رکعات ہیں اور عہد فاروقی میں ابتداء یہی عمل جاری ہوا جو بعد میں گیارہ کے بجائے بیس میں تبدیل ہو گیا اور پھر ای پر اجماع منعقد ہو گیا۔ تیرہ رکعات کا قول شاذ ہے۔

ان تینوں نکتہ ہائے نظر کو ملاحظہ فرمائیے۔ ان تینوں سے ہمارے موقف و نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور تان آخر کار بیس رکعات پر ہی ٹوٹی ہے کہ اسی پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق اور امت کا اجماع ہوا اور باقی رکعات کا اگر واقعی وجود تھا تو ان پر عمل عہد فاروقیؓ سے ہی متروک ہو چکا تھا۔

عرب کشافی اور عرب علوی می پی قیام و مکان

یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو چکنے کے بعد کہ عہد فاروقیؓ میں بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرامؓ کا اجماع منعقد ہو چکا تھا، اب ہم عہد عثمانیؓ اور عہد علویؓ کی رکعات تراویح کا جائزہ لینا چاہیں گے۔ اسی باب کے گزشتہ اوراق میں ابن ابی ذئب کے حوالہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ عہد فاروقیؓ اور عہد عثمانیؓ میں لوگ طویل قیام کے ساتھ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶) اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس روایت کی توثیق کرنے والوں میں امام بیہقی، امام نووی، امام بغوی، علامہ عراقی، امام سیوطی، علامہ نیوی، علامہ سبکی، علامہ زلیعی، علامہ عینی، اور علامہ ملا علی قاری جیسے ائمہ حدیث شامل ہیں لیکن غیر مقلدین کی یہ بد قسمتی ہے کہ وہ ان جید ائمہ کی توثیق شدہ روایت کو مختلف حیلوں اور بہانوں کے ساتھ مسترد کرنے کے درپے ہیں۔ جب وہ سند کے اعتبار سے اس کی ثقاہت کا انکار نہ کر سکتے تو انہوں نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ عہد فاروقیؓ و عثمانیؓ میں لوگ بیس رکعات پڑھتے تو تھے لیکن ان کا یہ عمل حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے پوشیدہ تھا اور انہیں اس کی خبر نہ تھی۔ غیر مقلدین نے ان خلفاء راشدینؓ کو عصر حاضر کے حکمرانوں پر قیاس کر لیا ہے جنہیں اپنے مفادات سے ہٹ کر کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی حالانکہ کتب احادیث کے اندر جہاں ان کے دور میں لوگوں کے بیس رکعات پڑھنے کا ذکر موجود ہے، وہاں وضاحت بھی مذکور ہے کہ: ان عمر و عثمان کانا یقومان فی رمضان مع الناس۔ یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رمضان میں لوگوں کے ساتھ مل کر قیام کرتے تھے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۴) یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ لوگوں کے بیس رکعات تراویح کے عمل سے غافل نہ تھے بلکہ

اجتماعی عمل میں باقاعدہ شریک تھا۔ اور یہ ممکن بھی کیسے تھا کہ ان کے ادوار میں ایک خلاف سنت عمل مساجد کے اندر اجتماع شکل اختیار کر گیا اور العیاذ باللہ تعالیٰ وہ اس سے بے خبر رہے؟ حالانکہ مفتی اعظم حکومت سعودیہ الشیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں کہ: **والثلاث والعشرون فعلها عمر رضی اللہ عنہ والصحابۃ فلیس فیہا نقص ولیس فیہا اخلال بل ہی من السنن سنن الخلفاء الراشدین** یعنی تیس رکعات حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کا اپنا فعل ہے جس میں نہ نقص ہے اور نہ حرج بلکہ یہ خلفاء راشدینؓ کی سنتوں میں سے ہے۔ (مجموع فتاویٰ الشیخ ابن بازؒ ج ۱ ص ۳۰۲)

(۱) حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ وثبت باهتمام الصحابة علی عشرين فی عهد عمر وعثمان وعلی فمن بعدهم یعنی صحابہ کرامؓ کے اہتمام سے ثابت ہے کہ عہد فاروقیؓ، عہد عثمانیؓ، عہد علویؓ اور ان کے بعد بھی بیس رکعات تراویح کا عمل جاری رہا۔ (عمدة الرعاۃ ج ۱ ص ۱۷۵-۱۷۶ تعلق المجد ص ۱۴۰)

(۲) حضرت ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ ان علیا امر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرين رکعة یعنی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو رمضان میں بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۴-۲۸۵ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

اس روایت پر غیر مقلدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں ابوالحسنؒ مجہول ہے حالانکہ ان کا یہ اعتراض خلاف حقیقت ہے چنانچہ ان کے اس اعتراض کے جواب میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عظمیؒ فرماتے ہیں کہ:

”ابوالحسنؒ دو ہیں۔ ایک حکیم بن عتبہ سے روایت کرتا ہے اور اس سے شریک نخعی روایت کرتے ہیں۔ اسی کو حافظ ابن حجرؒ نے مجہول قرار دیا ہے۔ دوسرا حضرت علیؓ سے روایت کرتا ہے اور اس سے ابوسعید بقال اور عمرو بن قیس روایت کرتے ہیں۔ مذکورہ روایت میں یہی ابوالحسنؒ ہے۔“
(رکعات تراویح ص ۷۸)

معلوم ہوا کہ ابوالحسنؒ دو ہیں۔ جسے حافظ ابن حجرؒ مجہول قرار دے رہے ہیں، وہ ہمارا راوی نہیں۔ اور جو ہماری روایت کا راوی ہے، وہ مجہول نہیں کیونکہ جس راوی سے دو شاگرد روایت کر رہے ہیں، وہ

مجهول نہیں رہتا اور ابوالحسناء سے دو شائر ابوسعید بقال اور عمرو بن قیس روایت کرتے ہیں۔ اگر بالفرض یہ وہی ابوالحسناء ہے جس کو حافظ ابن حجر مجہول قرار دیتے ہیں تو پھر بھی اسے مجہول قرار دینا حافظ ابن حجر کا وہم ہے۔ چنانچہ ہماری پیش کردہ روایت پر اعتراض کرتے ہوئے جب شیخ البانی نے ابوالحسناء کو مجہول قرار دیا تو مدرس حرم الشیخ اسماعیل بن محمد الانصاری نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

”ناصر الدین البانی اور حافظ ابن حجرؒ نے ابوالحسناء کو مجہول قرار دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابو یوسف الدولابیؒ نے اپنی کتاب ”الاسماء والکنی“ میں یحییٰ بن معین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابوالحسناء سے شریک نخعی اور حسن بن صالح کوئی روایت کرتے ہیں۔ والمقرر فی قواعد الحديث ان رواية اثنين عن الراوى ترفع عنه اسم الجهالة۔ اور اصول حدیث کے مقررہ ضابطہ کے مطابق جس راوی سے دو شائر روایت کریں، اس پر سے جہالت کا الزام ختم ہو جاتا ہے اور یہ اصول امام دارقطنی نے اپنی سنن میں، حافظ ابن عبد البرؒ نے ”الاستدکار“ میں اور خطیب بغدادیؒ نے ”کفایہ“ میں بیان کیا ہے۔“ (صحیح حدیث صلوٰۃ التراويح عشرین رکعت ص ۲۹)

شیخ البانی کو یہی جواب الشیخ یحییٰ بن عبد اللہ بن مانع الحمیری الشافعی (تائب المدیر لادعایہ) متحدہ عرب امارات) نے اپنے رسالہ القول الصحیح فی صلوٰۃ التراويح ص ۶۱ میں دیا ہے۔ گویا جس ابوالحسناء کو حافظ ابن حجر مجہول قرار دے رہے ہیں، وہ بھی مجہول نہیں کیونکہ اس سے اس کے دو شائر شریک نخعی اور حسن بن صالح کوئی روایت کرتے ہیں لہذا اس پر بھی جہالت کا الزام ختم ہو گیا۔

(۳) حضرت عبدالرحمن السلميؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے رمضان میں قراءت کو بلا یا فاسر منهم رجلا یصلی بالناس عشرين رکعة وکان علی یوتر بهم۔ ان میں سے ایک قاری کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علیؑ نے لوگوں کو وتر پڑھائے۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)

اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کی قائم کی ہوئی جماعت کو توڑا نہیں بلکہ اسے برقرار رکھا۔ (منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۲۳) ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؑ کے زمانوں میں بھی بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھی اور وہ خود اس تراویح کے مکمل میں شریک رہتے تھے۔

فَصَحَابُ بَا جَوَالَت؟ لیکن غیر مقلدین کے تعصب کا یہ عالم ہے کہ وہ ان تمام روایات اور ان کی روشنی میں منقول اقوال سلف کو نظر انداز کرتے ہوئے بضد ہیں کہ خلفاء راشدینؓ کے عمل سے بیس رکعات تراویح ثابت نہیں چنانچہ مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

”جب حضرت عمرؓ نے ۸ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم کیا تو ظاہر ہے کہ خود بھی گیارہ ہی رکعات پڑھتے رہے ہوں گے اور خلفاء راشدینؓ میں سے حضرت ابو بکر و حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ یہ لوگ کے رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔“ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۳۶)

اور ص ۲۴۰ پر بعینہ یہی موقف مولانا عبد الرحمن مبارک پوریؒ نے اختیار کیا ہے۔ ان حضرات کے اس موقف کو تعصب کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ علامہ عبد الرحمن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ:

”وقد بین فعل عمر ان عددھا عشرون حیث انه جمع الناس اخیرا علی هذا العدد فی المسجد ووافقه الصحابة علی ذالک ولم یوجد لهم مخالف من بعدهم من الخلفاء الراشدين۔ بے شک حضرت عمرؓ کے عمل نے ظاہر کر دیا کہ تراویح کی تعداد بیس ہے کیونکہ انہوں نے مسجد کے اندر لوگوں کو بالآخر اسی عدد پر جمع کر دیا اور صحابہ کرامؓ نے ان کی موافقت کی اور ان کے بعد کے خلفاء راشدینؓ میں سے بھی کسی نے ان سے اختلاف نہیں کیا۔“ (الفقه علی المذاہب الاربعہ ص ۳۴۱)

نیز گزشتہ صفحات میں مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ بن باز کے مجموعہ فتاویٰ کے حوالے سے یہ فتویٰ بھی گزر چکا ہے کہ بیس رکعات تراویح حضرت عمرؓ سے ثابت اور خلفاء راشدینؓ کی سنت ہے۔

حضرت علیؓ کی وصایت میں حضرت عمرؓ کے لیے: حضرت عمرؓ کی طرف سے جماعت تراویح کے احیا کا عمل حضرت علیؓ کو اتنا پسند تھا کہ باوجود اس کے کہ وہ اس کے احیا کی مشاورت میں خود شریک تھے لیکن حضرت عمرؓ کو اس عمل پر دعائیں دیتے تھے۔ چنانچہ ابواسحاق ہمدانی فرماتے ہیں کہ:

”رمضان کی پہلی شب حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ چراغ روشن تھے اور (نماز تراویح میں) قرآن پڑھا جا رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: نور اللہ لک یا ابن الخطاب فی

فسرک کما نودت مساجد اللہ تعالیٰ بالقرآن۔ اے عربین الخطاب، اللہ تیری قبر کو اسی طرح منور کرے جس طرح تو نے اللہ تعالیٰ کی مساجد کو تلاوت قرآن سے روشن کر دیا۔“ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۴۔ قیام اللیل ص ۱۵۶)

دوران تراویح مساجد کے اندر تین قسم کے انوار جمع تھے۔ ایک ظاہری اور دو باطنی۔ ظاہری نور ان قندیلوں کا تھا جو اس وقت مساجد کے اندر بکثرت جلائی جاتی تھیں جس کے بارے میں علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد کے اندر روشنی کے لیے چراغ بکثرت جلانے کا سلسلہ حضرت عمرؓ نے اس وقت شروع کیا لما جمع الناس فی التراويح علی امام واحد جب انہوں نے تراویح کے لیے لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۶۷۰) دوسرا نور قیام رمضان کی جماعت کا تھا جس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ وہی ہیں جنہوں نے ماہ صیام کو نماز تراویح (کی جماعت) سے منور فرمایا۔ (ازالۃ الخفاء مترجم ج ۳ ص ۱۸۴) اور تیسرا نور نماز تراویح کے اندر تلاوت قرآن کا تھا جس کی طرف اشارہ کر کے حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کو دعائیں دے رہے ہیں۔

سُنْتُ خَلِيفَةَ رَاشِدِينَ كُنْتُ شَرِيحَ حَيْثِيَّةٍ : یہ معلوم ہو چکنے کے بعد کہ بیس رکعات تراویح خلفاء راشدینؓ کی سنت ہے، یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ سنت خلفاء راشدینؓ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بد قسمتی سے غیر مقلدین نے اس مسئلے میں بھی جمہور اہل سنت سے اختلاف کرتے ہوئے سنت خلفاء راشدینؓ کو حجت شرعیہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ خلفاء راشدینؓ کے کسی عمل پر مواظبت سے بھی سنت موکدہ ثابت نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۶۴۲۔ تفصیلی حوالہ ساتویں باب میں ملاحظہ فرمائیں) اور نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ وذهب الجمهور الى ان اجماع الخلفاء الاربعة ليس بحجة وهو الحق. جمہور کے نزدیک خلفاء اربعہ (حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہم) کا اجماع حجت نہیں اور یہی حق ہے۔ (حصول المأمول ص ۶۵)

حالانکہ اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدینؓ کی سنت اور اجماع حجت شرعیہ ہے چنانچہ علامہ محمد

انور شاہ کا شمیریؒ فرماتے ہیں کہ سنت خلفاء راشدینؓ بھی سنت نبویؐ کی طرح سنت ہے کما فی الاصول ان السنة سنة الخلفاء وسنته عليه السلام جیسا کہ اصول میں سنت کا اطلاق سنت نبویؐ اور سنت خلفاء راشدینؓ دونوں پر کیا گیا ہے۔ (العرف الشذی ص ۳۰۹) اور حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء اور اصولیین کے نزدیک سنت وہ ہے ما واطب علیہ النبی ﷺ او الخلفاء الراشدون جس پر آنحضرت ﷺ یا خلفاء راشدینؓ نے مواظبت اختیار کی ہو۔ (اعلاء السنن ج ۷ ص ۶۹)

ہمارے فقہاء کرام کا استدلال حدیث: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدینؓ المہدیین (مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۹۔ ترمذی ج ۲ ص ۹۲۔ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۶۔ ابن ماجہ ص ۵) سے ہے اسی لیے کتب حدیث میں اس کی صراحت مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شرابی کو چالیس چالیس کوڑے لگائے اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے۔ وکل سنة، ان میں ہر عمل سنت ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۷۲۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۱) یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک شرابی کے لیے حد اسی کوڑے ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۲۸۵۔ ہدایہ ج ۱ ص ۵۰۸) علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ، امام محمدؒ اور امام مالکؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ جب ہمارے پاس دو مختلف حدیثیں پہنچیں اور یہ خبر بھی پہنچے کہ ان میں سے ایک حدیث پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے عمل کیا ہے اور دوسری ترک کی ہے تو کان فی ذالک دلالة ان الحق فی ما عملا بہ۔ قابل عمل وہی حدیث ہوگی جس پر ان حضرات نے عمل کیا ہے۔ (التمہید ج ۳ ص ۳۵۳) گویا حدیث رسول پر عمل کے لیے صرف صحت سند ہی کافی نہیں بلکہ تعامل خلفاء راشدینؓ بھی دیکھا جائے گا۔ چنانچہ حافظ ابن رجب الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ:

والسنة هي الطريق المسلوكة فيشمل ذلك التمسك بما كان عليه هو
والخلفاء الراشدون وهذه السنة الكاملة . سنت وہ راستہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ
اور خلفاء راشدینؓ چلے اور یہی سنت کاملہ ہے۔ (جامع العلوم ج ۱ ص ۱۹۱)

حاصل بحث: زیر نظر باب کے ٹھوس حوالہ جات کی روشنی میں یہ حقیقت پوری طرح واضح

ہو چکی ہے کہ

- (۱) بیس رکعات نماز تراویح حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ تینوں خلفاء راشدینؓ کی ہے۔ (۲) اور خلفاء راشدینؓ کی سنت پر امت کے لیے سنت نبویؐ کی طرح عمل لازم ہے۔
- اس کے بعد بھی بیس رکعات تراویح کے سنت ہونے سے انکار کرنا خالص غیر مقلدیت نہیں تو کیا ہے؟

باب چہارم تعامل خیر القرون

صحابہ کرامؓ اور رکعت تراویح

سنت خلفاء راشدینؓ کی روشنی میں رکعات تراویح کی تفصیلی بحث کے بعد اب ہم تعامل صحابہ کرامؓ کی روشنی میں رکعات تراویح کا جائزہ لینا چاہیں گے۔ اتنی بات تو غیر مقلدین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرامؓ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (ملاحظہ فرمائیے ”تحریک آزادی فکر“ ص ۲۴۲۔ فتاویٰ برکاتیہ ص ۸۱۔ فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۵۳) لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو چکا تھا۔ آئیے اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) زید بن وہب فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ رمضان میں ہمارے ساتھ نماز پڑھتے۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں: کان یصلیٰ عشرين رکعة ویوتر بثلاث یعنی وہ بیس رکعات پڑھتے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۷) (۲) حافظ ابن حجر مکی الشافعیؒ فرماتے ہیں: ولو کن اجتماع الصحابة علی ان التراويح عشرون رکعة۔ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ (المصابیح ص ۱۸۔ تحفۃ الاخیار ص ۱۹۷) (۳) علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات سنت ہے لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر (اس لیے کہ مہاجرین و انصار صحابہؓ کی موجودگی میں پڑھی گئیں اور کسی نے ان سے انکار نہیں کیا۔) (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳ ص ۱۱۲) (۴) علامہ ملا علی قاریؒ مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۳ میں (۵) علامہ عبدالحی کھنویؒ التعلیق المجدد ص ۱۴۰ میں (۶) علامہ قسطلانیؒ ارشاد الساری ج ۳ ص ۴۲۶ میں (۷) علامہ قاضی خانؒ فتاویٰ ج ۱ ص ۱۱۰ میں (۸) علامہ شمس الدینؒ الحسنبلیؒ شرح مقنع ج ۱ ص ۸۵۲ میں (۹) امام نوویؒ الشافعیؒ کتاب الاذکار ص ۸۳ میں (۱۰) علامہ طحاویؒ الحنفیؒ

مطہدین ص ۳۳۹ میں (۱۱) علامہ شریعتیؒ کی لکھی گئی مراثی الفلاح ص ۸۱ میں (۱۲) حافظ ابن تیمیہؒ کی لکھی گئی شہدین ص ۳۳۹ میں (۱۳) علامہ ابن نجیمؒ کی لکھی گئی البحر الرائق ج ۲ ص ۶۶ میں (۱۴) شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی ثبت و سنت ص ۳۷ میں (۱۵) علامہ ابن عابدین شامیؒ کی لکھی گئی رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۱ میں (۱۶) علامہ کاشانیؒ کی لکھی گئی برائع الصنائع ج ۱ ص ۳۸۸ میں (۱۷) علامہ تاج الدین سبکیؒ کی لکھی گئی مصابح ص ۱۶ میں (۱۸) امام جلال الدین سیوطیؒ کی مصابح ص ۱۶ میں (۱۹) علامہ طبریؒ کی لکھی گئی شریعتیہ مصنفی ص ۳۶۹ میں (۲۰) اور امام ابو حامد غزالیؒ کی الشافعی احیاء العلوم میں میں رکعت تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کرتے ہیں۔ (۲۱) اور امام ابن قدامہؒ کی حلیۃ حدیث ابن ربیعؒ میں تراویح پر صحابہ کرام کے بعد فرماتے ہیں: وهذا کما لا جماع۔ یہ بخلاف اجماع صحابہ کے ہے۔ (مفتی زمر ۹۰۳)

گویا مختلف فقہی مذاہب سے تعلق رکھنے والے مندرجہ بالا ائمہ میں رکعات تراویح پر اجماع صحابہ منعقد ہونے پر متفق ہیں اور اس پر کوئی قابل ذکر انکار موجود نہیں۔

تداول احادیث کی شرعی حیثیت

میں رکعات تراویح پر اجماع صحابہ کے تذکرہ کے بعد تعامل صحابہ کی شرعی حیثیت پر مختصر بحث بھی ضروری ہے کیونکہ اس مسئلے پر بھی غیر مقلدین جمہور اہل سنت سے الگ نظر یہ رکھتے ہیں۔ آئیے ان کے نظریہ کی ایک جھک ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا شاہ احمد امجدیؒ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب اور عقیدہ یہ ہے کہ میں خدا اور رسول کے سوا کسی ایک یا کئی اشخاص کا قول یا فعل یا حجت شرعی نہیں جانتا۔ (مکالم روپڑی ص ۵۶) مولانا محمد حسین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے دلیل عدم حجت قول صحابہؓ بیان کی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو آنحضرت ﷺ کے کسی کا اتباع کسی پر لازم نہیں کیا۔ کتاب سنت اور اجماع امت اس پر شاہد ہیں۔ (ایضاً ص ۵۷) مولانا میاں خدیر حسین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ سے حجت شرعی قائم نہیں ہو سکتی۔ (ایضاً) نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کو امام کی تفسیر قرآن حجت نہیں۔ (بدور لابلہ ص ۱۳۹) نواب نور الحسن خانؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کو امام کا اجتہاد امت کے کسی فرد پر حجت نہیں۔ (عرف الہدوی ص ۲۰۷)

غیر مقلدین کے مذکورہ نظریات کے بالکل برعکس اہل السنۃ والجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے امت کے ہتر فرقوں کی خبر دی اور فرمایا ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہے۔ پوچھا گیا، کون سا؟ فرمایا اہل السنۃ والجماعت۔ پوچھا گیا، سنت اور جماعت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا، وہ طریقہ جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔ (المسلل والنحل لعلامہ عبدالکریم شہرستانی ج ۱ ص ۱۳)

گویا اس فرمان نبوی کے مطابق نام کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت اور پہچان کے اعتبار سے ما انا علیہ واصحابی مدارجات ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے نقش قدم پر چلو، بدعات سے بچو، فقد کفیتم۔ یہ تمہاری نجات کے لیے کافی ہے۔ (الاعتصام للشاطبی ج ۱ ص ۵۴) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی اقتدا ان کے عہد میں بھی کی جائے گی اور بعد میں بھی۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۸۶) امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علما جو باتیں صحابہؓ سے روایت کریں، وہ لے لو اور جو اپنی طرف سے بیان کریں، وہ چھوڑ دو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۵۶) کیونکہ یہ اصول موجود ہے کہ اذا تنازع الخبران عن النبی ﷺ نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ۔ جب آنحضرت ﷺ سے دو مختلف حدیثیں منقول ہوں تو پھر صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھو کہ ان کا عمل ان میں سے کس حدیث پر ہے۔ (وہی عمل سنت ہوگا) ابو داؤد ج ۱ ص ۳۷۶) علامہ عبدالرحمن بن خلدون المالکیؒ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کرامؓ خود طعن و تشنیع سے پاک ہوئے تو ان کے اجماع پر کون مومن یہ شک کر سکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ بغیر کسی دلیل شرعی کے متفق القول والعمل ہو گئے ہوں گے۔ (مقدمہ ص ۴۳۴) مولانا عبد الجبار غزنویؒ غیر مقلد فرماتے ہیں کہ جس امر کا ترک باجماع صحابہؓ بنقل صحیح ثابت ہو جائے تو بموجب قاعدہ محدثین اس کا متروک العمل ہونا دلیل نسخ ہے۔ (اثبات الالہام والبیعہ ص ۷)

ان حوالہ جات کو بار بار ملاحظہ فرمائیے اور فریقین (اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین) کے نظریات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ چنانچہ اہل سنت کے نظریہ کی تائید میں علامہ فاخرالہ آبادی غیر مقلد فرماتے ہیں کہ اہل سنت فرقہ ناجیہ ہے جنہوں نے سیرت نبوی اور صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ ما انا علیہ واصحابی ان کا طرہ امتیاز ہے۔ (رسالہ نجاتیہ ص ۴۷) مولوی عنایت اللہ اثری غیر مقلد فرماتے ہیں کہ علیؑ نے فرمایا اہل سنت وہ ہیں جو سنن نبوی پر عامل ہوں اور اہل بدعت وہ ہیں جو ان کے خلاف ہوں۔ اہل جماعت صحابہؓ ہیں اور اہل تفریق وہ ہیں جو ان سے الگ ہوں۔ امام

زہریؒ فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں لوگ اہل سنت تھے۔ (جہان العجایب ص ۱۳۶)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ غیر مقلدین کا شمار اہل سنت کی مخالفت کی وجہ سے اہل بدعت میں اور تعامل صحابہ سے علیحدگی کی وجہ سے اہل تفریق میں ہوتا ہے کیونکہ جب براہین قاطعہ سے ثابت ہو چکا کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرامؓ کا بھی اجماع ہے اور ان کے بعد کے تمام اہل سنت والجماعت کا بھی تو اس سے اختلاف و علیحدگی بدعت و تفریق کے سوا کیا کہلا سکتی ہے؟

تراویح مدینہ منورہ میں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے دار الخلافہ کی حیثیت سے عہد فاروقیؓ میں تراویح کو اجتماعی شکل دینے کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا۔ ہم بالتفصیل بیان کر چکے ہیں کہ عہد خلافت راشدہ میں مدینہ منورہ کے اندر بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔ اس کے بعد اس میں کیا کیا تغیر آئے؟ اور ان کے اسباب کیا تھے؟ اب ہم اس پر مختصر بحث کریں گے اور یہ بحث ہم نے چار حصوں میں تقسیم کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) **سنة منورہ کے اندر رکعات تراویح** (بین النبیین کتب

اور کتبنا اہلنا): خلافت راشدہ موعودہ کے ختم ہونے کے تقریباً تیس سال بعد واقعہ حرہ کے قریب (۴۰ ہجری میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت پر خلافت راشدہ موعودہ کا دور ختم ہو گیا اور واقعہ حرہ ۶۳ ہجری میں اس وقت پیش آیا جب واقعہ کربلا کے بعد اصحاب مدینہ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے یزید کی بیعت توڑ دی تو یزیدی فوجوں نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے جو قتل و غارت کا بازار گرم کیا، تاریخ میں اسے واقعہ حرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) مدینہ منورہ میں رکعات تراویح بڑھا دی گئیں چنانچہ علامہ سلیمان الباجیؒ فرماتے ہیں کہ:

وكان الامر على ذلك الى يوم الحرة فنقل عليهم القيام فنقصوا من القراءة وزادوا الركعات فجعلت ستا وثلاثين غير الشفع والوتر يعني واقعہ حرہ تک بیس رکعات کا دستور رہا۔ پھر لوگوں نے طول قیام کے بجائے کثرت رکعات اختیار کر کے دتروں کے علاوہ رکعات چھتیس کر دیں۔ (زر قانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۳۹) رکعات میں یہ اضافہ واقعہ

حرہ کے کتنا عرصہ بعد ہوا؟ کہا جاتا ہے کہ یہ تبدیلی اس وقت آئی جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ مدینہ منورہ کے حاکم و گورنر تھے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۳ ص ۵۴۳) اور حضرت عبد بن عبدالعزیزؓ ۸۷ ہجری سے ۹۳ ہجری تک مدینہ کے گورنر رہے۔

گویا رکعات کے اندر یہ تبدیلی عہد خلافت راشدہ کے تقریباً پچاس سال بعد آئی البتہ امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن حلیمہؓ صحابی قبل از واقعہ حرہ بھی اکتالیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۲) کیونکہ وہ واقعہ حرہ میں شہید ہوئے لیکن یہ ان کا انفرادی عمل تھا۔ ممکن ہے تراویح بیس رکعات پڑھنے کے بعد نوافل پڑھتے ہوں اور کسی نے ان کی تراویح سمیت ساری رکعات شمار کر لی ہوں اور بعد کے حضرات نے ان کی نسبت صحابیت کی وجہ سے انہی کے عمل کی بنیاد پر رکعات بڑھالی ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ چنانچہ

حضرت داؤد بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر بن عبد العزیز یعنی بالمدينة يقوم بسنت و ثلاثين ركعة ويوترون بثلاث۔ میں نے مدینہ منورہ کے اندر ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور میں لوگوں کو چھتیس رکعات اور تین وتر پڑھتے دیکھا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۲۰۔ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں رايت الناس يقومون بالمدينة بتسع وثلاثين۔ میں نے مدینہ میں لوگوں کو انیس رکعات (چھتیس رکعات اور تین وتر) تراویح پڑھتے ہوئے دکھا۔ (کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۵)

رکعات تراویح کی تعداد بیس سے چھتیس تک واقعہ حرہ سے پہلے پہنچی یا بعد میں؟ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہ تبدیلی عہد خلافت راشدہ کے بہت بعد عمل میں آئی۔ عہد خلافت راشدہ میں چھتیس رکعات کا وجود نہ تھا۔

(۲) رکعات بیس (ثلاثون ركعة)؟: یہ تو معلوم ہو چکا کہ رکعات تراویح میں اضافہ واقعہ حرہ کے قریب ہوا اور سولہ یا بیس رکعات کا ہوا۔ اب ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ یہ اضافہ کیوں ہوا؟ اس کی وجہ کیا بنی؟ چنانچہ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ نے تشبیہا لاهل مکة اہل مکہ سے مشابہت کے لیے چھتیس رکعات اختیار کر لیں کیونکہ اہل مکہ

ہر چار رکعات کے بعد طواف کعبہ کر لیتے تھے ولا یطوفون بعد الخامسة اور پانچویں ترویجہ کے بعد وہ طواف نہیں کرتے تھے۔ پس اہل مدینہ طواف کی جگہ ہر چار رکعات کے بعد چار رکعات نفل پڑھ لیتے تھے۔ (الحادی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۳۸) یعنی چار ترویجوں کے بعد چار چار رکعات پڑھانے سے سولہ رکعات زائد ہو کر چھتیس رکعات بن گئیں۔

رکعات بڑھانے کی یہی علت علامہ ابن قدامہ الحنبلیؒ نے مغنی ج ۲ ص ۱۶۷ میں، شیخ عبدالحق دہلویؒ نے ماثبت بالنسب ص ۲۱۰ میں، علامہ عبدالحق لکھنویؒ نے فتاویٰ ص ۲۳۸ میں، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے فتاویٰ عزیزی ص ۲۳۸ میں اور علامہ ابن عبد البرؒ وابن حبیب ماکئیؒ نے زرقانی ج ۱ ص ۲۳۹ میں بیان کی ہے۔ گویا ان کی اضافی رکعات نماز تراویح کا حصہ نہ تھیں بلکہ درمیان کی نفل عبادت میں شامل تھیں۔

﴿...﴾: اہل مکہ و اصحاب مدینہ کے اسی عمل کی بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ پھر ترویجہ کے بعد بیٹھنے کے وقت لوگوں کو اختیار ہے، چاہے تو تسبیح پڑھتے رہیں، چاہے تو خاموش بیٹھے رہیں۔ مکہ کے لوگ سات مرتبہ طواف کر لیتے تھے اور مدینہ کے لوگ چار رکعات بڑھا لیتے تھے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۵)

مسنون رکعات: مذکورہ بحث سے یہ وضاحت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ مختلف آثار میں جو چھتیس یا چالیس رکعات کا اختلاف موجود ہے، وہ پانچویں ترویجہ کے بعد کے عمل پر موقوف ہے۔ جو حضرات پانچویں ترویجہ کے بعد چار رکعات ادا کرتے، ان کی رکعات چالیس ہو جاتیں اور جو پانچویں ترویجہ کے بعد چار رکعات ادا نہ کرتے، ان کی رکعات کی تعداد چھتیس ہوتی اور پانچویں ترویجہ کے بعد استراحت کے حکم شرعی کے بارے میں فقہاء کرام کے اختلاف کی مختصر بحث آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) اختلاف رکعات کی مسنون حیثیت: گزشتہ اوراق میں ہم دلائل کے ساتھ باحوالہ بحث کر چکے ہیں کہ سنت نبوی، تعامل خلفاء راشدینؓ اور اجماع صحابہؓ کی روشنی میں رکعات تراویح کا عدد بیس سے متجاوز ہرگز نہ تھا۔ اس اعتبار سے بیس سے زائد رکعات کا تعلق مسنون عمل

سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ان کی حیثیت صرف نوافل کی ہوگی بلکہ ائمہ مجتہدین کے درمیان تو بین الترویحتین (یعنی دو ترویحوں کے درمیان) نوافل پڑھنے کے بارے میں بھی اختلاف موجود ہے۔ بعض کے نزدیک وہ جائز ہیں اور بعض کے نزدیک مکروہ چنانچہ فقہ مالکی کے نامور ترجمان امام ابن قاسم فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے سوال کیا عن النفل فی ما بین الترویحتین۔ دو ترویحوں کے درمیان نفل پڑھنے کے بارے میں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ لا باس بذالک۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (الایاء السنن ج ۲ ص ۶۸) جبکہ امام ابن قدامہ الحسلبیؒ فرماتے ہیں کہ مکروہ ابو عبد اللہ التطوع بین الترویحتین۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بین الترویحتین نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ (المغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۸۰۵) شمس الاممہ امام سرخسی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ قال ابو حنیفہ یصلیٰ عشرين رکعة کما هو السنة ویصلی الباقی فرادی کل تسلیمتین اربع رکعات وهذا مذهبا وقال الشافعی لا باس باداء الكل جماعة یعنی امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں رکعات باجماعت پڑھتے جیسا کہ سنت ہے۔ باقی چار چار رکعات دو سلاموں کے ساتھ اکیلا پڑھتے اور یہی ہمارا مذہب ہے جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ نوافل بھی باجماعت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مبسوط ج ۲ ص ۱۴۴)

گویا ان حوالہ جات کی روشنی میں تین نقطہ نظر سامنے آتے ہیں:

پہلا امام احمد بن حنبلؒ کا جن کے نزدیک بین الترویحتین نوافل پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔

دوسرا امام مالک اور امام شافعیؒ کا جن کے نزدیک بین الترویحتین باجماعت نوافل پڑھنا بھی

جائز ہے اور بلا جماعت بھی۔

تیسرا امام اعظم ابو حنیفہؒ کا جن کے نزدیک بین الترویحتین باجماعت نوافل مکروہ اور بلا

جماعت جائز ہیں۔

ائمہ مجتہدین کے اس اختلاف سے ظاہر ہے کہ میں رکعات سے زائد اضافی رکعات کی حیثیت

صرف نوافل کی ہے اسی لیے اہل مدینہ کے چھتیس یا چالیس رکعات اختیار کرنے کے عمل پر تبصرہ کرتے

ہوئے امام موفق الدین ابن قدامہ الحسلبیؒ فرماتے ہیں کہ:

(اہل مدینہ نے چھتیس رکعات کا عمل اختیار کیا لیکن) وما کان اصحاب رسول الله ﷺ

اولیٰ و احق ان یتبع - صحابہ کرام کا عمل ان سے فائق ہے اور وہ اتباع کے زیادہ حق دار ہیں۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۶۷)

اور واقعی حقیقت یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ فرمان نبوی کے مطابق نجوم ہدایت اور معیار حق و صداقت ہونے کی بنا پر اتباع و پیروی کے اولین حق دار ہیں اور یہی جمہور اہل سنت کا نظریہ ہے۔

(ر) مَلِكُ بْنُ مَسْرُودٍ رَوَى عَنْ أَبِي حَبِيبٍ كَتَبَ إِلَى حَبِيبِ بْنِ سَالَةَ قَالَ بَيَّنَّ :
یہ حقیقت واضح ہو چکنے کے بعد کہ اہل مدینہ کا عمل چھتیس رکعات کا تھا اور ان کی بیس سے زائد اضافی رکعات کی حیثیت سنت کی نہ تھی بلکہ صرف نوافل کی تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مدینہ منورہ میں رکعات تراویح کا عمل ہمیشہ چھتیس کا رہا یا اس میں کوئی تغیر و تبدل رونما ہوتا رہا؟ چنانچہ مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی الشیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی کے اندر نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر ”التراویح اکثر من الف عام“ کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرمائی ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ :

”عہد خلافت راشدہ میں مسجد نبوی کے اندر بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی تھیں جو بعد میں بڑھا کر چھتیس رکعات کر دی گئیں اور تیسری صدی ہجری کے آخر تک وہاں چھتیس رکعات کا عمل جاری رہا۔ پھر چوتھی صدی ہجری کے آغاز سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک مسجد نبوی میں بیس رکعات تراویح پر عمل جاری رہا اور آٹھویں صدی کے وسط سے لے کر چودہویں صدی کے وسط تک رات کے اول حصے میں بیس رکعات پڑھی جاتیں اور آخری حصے میں سولہ رکعات پڑھی جاتیں۔ پھر جب چودہویں صدی کے وسط میں حکومت سعودیہ کا قیام عمل میں آیا تو مسجد نبوی کے اندر پھر بیس رکعات پر اکتفا کر لیا گیا۔ اب پہلی دس رکعتیں پانچ سلاموں کے ساتھ شیخ عبد العزیز پڑھاتے ہیں اور آخری دس رکعات پانچ سلاموں کے ساتھ شیخ عبد الحمید پڑھاتے ہیں۔

فیکون العشرون رکعة كاملة (ملخصاً)

اور الشیخ عیسیٰ بن عبد اللہ بن مانع الحمیری الشافعی (نائب مدیر الاوقاف دینی متحدہ عرب امارات)

فرماتے ہیں کہ جب حافظ زین الدین عراقی الشافعی (المتوفی ۸۰۶) مسجد نبوی کے امام تھے تو انہوں نے

خلفاء راشدینؓ کی سنت کا احیا فرمایا۔ فکان یصلی التراويح اول اللیل بعشرین رکعة علی المعتاد ثم یقوم آخر اللیل فی المسجد بست عشرة رکعة واستمر ذالک عمل اهل المدینة بعده فهم علیہ الی الان یعنی وہ اول شب ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھاتے اور آخر شب مسجد کے اندر سولہ رکعات نوافل پڑھاتے اور اس کے بعد آج تک یہی عمل جاری ہے۔
(القول الصحیح فی صلاة التراويح ص ۱۸)

الشیخ عطیہ سالم اور الشیخ حمیری کے مذکورہ فرامین سے تین باتیں بخوبی واضح ہو جاتی ہیں۔
پہلی بات یہ کہ عہد خلافت راشدہ میں تراویح کی رکعات بیس ہی تھیں اور یہی خلفاء راشدینؓ کی سنت ہے۔ دوسری بات یہ کہ اہل مدینہ نے عہد خلافت راشدہ کے بعد چھتیس رکعات کا جو عمل جاری کیا، وہ تیسری صدی ہجری کے آخر یا آنھویں صدی کے وسط تک جاری رہا لیکن اس کے بعد پھر سے سنت خلفاء راشدینؓ کے مطابق بیس رکعات تراویح کا احیاء ہوا۔ البتہ اہل مدینہ تراویح کے درمیان جو سولہ رکعات نفل زائد پڑھتے تھے، وہ تراویح سے کاٹ کر سحری کے وقت میں منتقل کر دیے گئے اور ان کی جماعت سحری کے وقت ہونے لگی اور یہ عمل چودہویں صدی کے وسط تک جاری رہا۔ تیسری بات یہ کہ چودہویں صدی کے وسط میں حکومت سعودیہ کے قیام کے بعد سحری کے وقت پڑھی جانے والی سولہ رکعات کا باجماعت سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا اور تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی رہیں۔ یاد رہے کہ حکومت سعودیہ کا قیام ۱۳۴۶-۱۹۲۶ء میں اس وقت عمل میں آیا جب سلطان عبدالعزیز بن سعودؒ نے مملکت حجاز کی عمان اقتدار سنبھالی۔ گویا عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مسجد نبوی کے اندر نماز تراویح کی رکعات بیس یا چھتیس ہی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الشیخ عطیہ سالم آٹھ رکعات تراویح کے قائلین کو چیلنج کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ

”کیا اس چودہ سو سالہ مدت کے اندر مسجد نبوی میں کبھی بھی آٹھ رکعات یا بیس رکعات سے کم

تراویح کا پڑھا جانا ثابت ہے؟ (ص ۱۰۸)

یہ حقائق اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ مسجد نبوی کے اندر آٹھ رکعات تراویح عہد خلافت راشدہ سے لے کر آج تک کبھی بھی نہیں پڑھی گئی لہذا مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کی نسبت استعمال کر کے امامِ جد

نبوی کے نام سے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے والے آٹھ رکعات کے قائلین کو اپنے طرز عمل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔

تراویح مکہ مکرمہ میں

مدینہ منورہ کے بعد اب ہمیں اسلام کے سب سے بڑے مرکز مکہ مکرمہ کی رکعات تراویح کا جائزہ لینا ہے۔ ناقابل تردید تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر آج تک مکہ مکرمہ اور مسجد حرام کے اندر صرف بیس رکعات تراویح ہی پڑھی گئی ہیں۔ کبھی بھی ان میں کمی بیشی نہیں ہوئی۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وبمكة بثلاث وعشرين یعنی مکہ مکرمہ کے لوگ تینیس رکعات تراویح پڑھتے۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۶۱۔ فتح الباری ج ۴ ص ۲۲۵) امام شافعیؒ فرماتے ہیں: رایت الناس يقومون بمكة بثلاث وعشرين۔ میں نے مکہ مکرمہ کے اندر لوگوں کو تینیس رکعات تراویح ہی پڑھتے دیکھا۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۰۔ کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۵) مشہور تابعی حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ ادرکت الناس وهم يصلون ثلاثة وعشرين ركعة۔ میں نے مکہ مکرمہ کے اندر لوگوں کو دیکھا کہ وہ تیس رکعات تراویح ہی پڑھتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳۔ قیام اللیل ص ۱۵۸) حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ نے ۱۱۵ ہجری میں وفات پائی۔ گویا ۱۱۵ ہجری تک بھی مکہ مکرمہ کے اندر نماز تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں۔ دوسرے مشہور تابعی حضرت ابن ابی ملیکہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کے اندر بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) اور حضرت ابن ابی ملیکہؒ حضرت عبداللہ بن زبیرؒ کے عہد خلافت میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے اور ۱۱۵ ہجری میں وفات پائی۔

ان حوالہ جات سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ عہد خیر القرون میں مکہ مکرمہ کے اندر بھی بیس رکعات تراویح ہی رائج تھی اسی لیے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کی طرف سے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ مکہ مکرمہ کے استاد الشیخ محمد علی صابونیؒ کا ایک رسالہ ”الہدی النبوی الصحیح فی صلوة التراويح“ کے نام سے شائع کیا گیا ہے جس میں الشیخ صابونیؒ نے عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مکہ مکرمہ اور مسجد حرام کے اندر ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھے جانے کا

ثبوت دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

فکم تودی فیہما صلوة التراویح من عہد الصحابة الی زماننا هذا؟ الست

تودی فیہما الصلوة عشرين رکعة؟ عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک تم حرمین شریفین میں

کتنی رکعات تراویح ادا کرتے ہو؟ کیا تم وہاں بیس رکعات نہیں پڑھتے؟ (ص ۵۶)

غور فرمائیے کہ ایک طرف قاضی مدینہ و مدرس مسجد نبوی الشیخ عطیہ سالم کی لکار ہے اور دوسری طرف استاد کلیۃ الشریعہ مکہ مکرمہ الشیخ محمد علی صابونی کا چیلنج ہے کہ ہے کوئی غیر مقلد جو مسجد نبوی اور مسجد حرام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی بھی وقت وہاں آٹھ رکعات تراویح کا عملی ثبوت فراہم کر سکے؟ لیکن آج تک کوئی غیر مقلد اس کا جواب نہیں دے سکا اور نہ ان شاء اللہ العزیز قیامت تک دے سکتا ہے۔

تعامل تابعین و تبع تابعین

سنت خلفاء راشدینؓ، تعامل صحابہؓ، اور تاریخ حرمین شریفین کے حوالے سے بیس رکعات تراویح کے ٹھوس ثبوت فراہم کرنے کے بعد اب ہم تابعین و تبع تابعین کے عمل کے حوالے سے بھی رکعات تراویح کا جائزہ لینا چاہیں گے۔

(۱) مشہور تابعی حضرت سعید بن الجبیرؓ رمضان المبارک میں (نماز تراویح کی) امامت فرماتے تو ایک رات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں اور ایک رات حضرت عثمان غنیؓ کی قراءت میں تلاوت کرتے۔ فکان یصلی خمس ترویحات۔ وہ پانچ ترویحتے پڑھاتے۔ فاذا کان العشر الاواخر صلی ست ترویحات۔ اور آخری عشرے میں چھ ترویحتے پڑھاتے۔ (عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۶۶۔ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳۔ قیام اللیل ص ۱۵۸) یعنی حضرت سعید بن جبیرؓ تراویح پانچ ترویحتے (یعنی بیس رکعات) ہی پڑھاتے البتہ آخری عشرے میں یجتہد فی العشر الاواخر ما لا یجتہد فی غیرہ کی سنت نبویؐ پر عمل کرنے کے لیے ایک ترویح (یعنی چار رکعات) کا اضافہ کر لیتے۔ حضرت سعید بن الجبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت انس بن مالکؓ جیسے جلیل القدر صحابہ سے علم حاصل کیا۔ ۹۵ ہجری میں ان کو حجاج بن یوسف نے کوفہ کے اندر انتہائی ظالمانہ طریقے سے شہید کر دیا۔ گویا ۹۵ ہجری تک کوفہ کے اندر بھی بیس

رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔

(۲) یونس بن عبید (جو حسن بصریؒ و ابن سیرینؒ کے شاگرد اور سفیان ثوریؒ و شعبہؒ کے استاد ہیں اور ۱۳۹ میں وفات پائی) فرماتے ہیں کہ ابن اشعث کے فتنے سے قبل بصرہ کی جامع مسجد میں، میں نے عبدالرحمن بن ابی بکرؒ، سعید بن ابی الحسنؒ اور عمران العبیدیؒ کو دیکھا: کانوا یصلون خمس تراویح فاذا دخل العشر الاواخر زادوا واحده۔ وہ لوگوں کو پانچ ترویح پڑھاتے اور آخری عشرے میں ایک ترویج (چار رکعت) کا اضافہ کر لیتے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۸) گویا ان حضرات کے نزدیک بھی تراویح بیس رکعات تھیں البتہ آخری عشرے میں عمل نبوی کے ساتھ تشبیہ و مناسبت کے لیے ایک ترویج بڑھا لیتے۔ یاد رہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؒ، حضرت سعید بن ابی الحسنؒ، اور عمران العبیدیؒ تینوں حضرات علی المرتضیٰ کے شاگرد تھے۔ (ملاحظہ فرمائیے تہذیب التہذیب) اور روایت میں جس فتنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ عبدالرحمن بن الاشعث کا فتنہ ہے جو ۸۱ ہجری میں بصرہ کے اندر برپا ہوا۔ گویا ۸۱ ہجری تک بصرہ میں بھی بیس رکعات کا ہی رواج تھا۔

(۳) حضرت شتیر بن شہل رمضان میں لوگوں کو تراویح پڑھاتے بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔ بیس رکعت اور تین وتر کے ساتھ۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹۶۔ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳۔ قیام اللیل ص ۱۵۸) یہ بھی حضرت علیؒ کے شاگرد تھے اور کوفہ میں قیام پذیر تھے۔

(۴) حارث بن الاعور البہمدانی رمضان میں لوگوں کو تراویح پڑھاتے بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث بیس رکعت اور تین وتر۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۳) حارث ہمدانی، حضرت علیؒ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے۔ ۶۵ ہجری میں کوفہ کے اندر وفات پائی۔

(۵) حضرت عبداللہ بن المبارکؒ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۹۹) عبد اللہ بن مبارکؒ مشہور تابعی ہیں اور علماء خراسان میں سے تھے۔ ۱۸۱ ہجری میں وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۶۵۷) گویا سرزمین خراسان میں بھی بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں۔

(۶) حضرت امام سفیان ثوریؒ بھی بیس رکعات کے قائل تھے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۹۹) مشہور تابعی اور کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۶۱ ہجری میں بصرہ کے اندر وفات پائی۔

(۷) سعید بن فیروز ابوالختری کان بصلی خمس ترویحات ویوتر بثلاث - پانچ تروٹکے اور تین وتر پڑھاتے۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ۸۳ھ میں وفات پائی۔ (تقریب ص ۱۲۵)

(۸) علی بن ربیعہ تراویح پڑھاتے خمس ترویحات ویوتر بثلاث - پانچ تروٹکے اور تین وتر (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳) واسنادہ صحیح (آثار السنن ص ۴۷۵) یہ بھی کوفہ کے رہنے والے تھے۔

(۹) سدید بن غفلہ تراویح پڑھاتے خمس ترویحات عشرين رکعة (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶) اسنادہ حسن (آثار السنن ص ۴۷۴) سدید بن غفلہ عہد نبوی میں اسلام قبول کر چکے تھے لیکن صحبت نبوت سے محروم رہے۔ جس دن آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کی تدفین ہو رہی تھی، اس دن وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ (۸۰، ۸۱ یا ۸۲ میں وفات پائی)

(۱۰) حضرت شبرمہ بن شکل نے تراویح پڑھائی خمس ترویحات عشرين رکعة - پانچ تروٹکے یعنی بیس رکعات۔ (مرقاة ج ۳ ص ۱۹۲ - التعلیق المجدد ص ۱۴۰) یہ بھی اصحاب حضرت علیؓ میں سے تھے۔ تلک عشرة كاملة

انہی روایات کی روشنی میں علامہ بدرالدین الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ :

”تابعین میں سے شبر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث ہمدانی، عطاء بن ابی رباح، ابوالختری، سعید بن ابی الحسن بصری، عبدالرحمن بن ابی بکرہ، اور عمر اعبدی وغیرہ بیس رکعات کے قائل تھے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ وہو قول جمهور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واكثر الفقهاء وهو الصحيح۔ یہی مسلک جمہور علما کا ہے، اصحاب کوفہ (یعنی امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہم)، امام شافعی اور اکثر فقہاء کا اور یہی صحیح ہے۔“ (عدة القاری ج ۱ ص ۱۲۷)

گویا خیر القرون میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سمیت تمام بلاد اسلامیہ میں بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں اگرچہ حضرت امام مالکؒ، اسود بن یزیدؒ، زرارہ بن ابی اوئیؒ اور اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ

حضرات بطور نوافل اس میں زیادتی کے بھی قائل تھے اور اس زیادتی پر عمل پیرا بھی تھے لیکن جیس رکعات سے کم کا تصور سوائے محمد بن اسحاق (جو تیرہ رکعات کے قائل تھے) اور امام ابو بکر بن العربیؓ کے (جن کے گیارہ رکعات پڑھنے کا ذکر آتا ہے) کہیں بھی نہیں ملتا۔ اگر بالفرض بیس رکعات کی روایات (حدیث ابن عباسؓ وغیرہ) ضعیف بھی ہوں تو بھی تعامل خیر القرون کی وجہ سے ان کا ضعف ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ غیر مقلدین کا بھی یہ فتویٰ موجود ہے کہ

”علاوہ ازیں ضعیف حدیث جب قرون مشہود لہا بالخیر میں معمول بہ ہو تو وہ امت کے ہاں مقبول ہے۔“ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۶ ص ۷۴)

اب یہ فیصلہ کرنا تو غیر مقلدین کا کام ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی امت ہیں یا نہیں؟ اگر امت ہیں تو پھر انہیں تعامل خیر القرون کی بنا پر بیس رکعات کی روایات کو قبول کرنا پڑے گا اور اگر وہ انہیں قبول نہیں کرتے تو.....

ان کو غرور حسن ہے مجھ کو سرور عشق
وہ بھی نشے میں چور ہیں میں بھی پیے ہوئے

باب پنجم رکعات تراویح اور اجماع امت

سنت خلفاء راشدینؓ، تعامل صحابہؓ اور تعامل خیر القرون پر مدلل بحث کے بعد اب ہم آتے ہیں اجماع امت کی طرف۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ بیس رکعات نماز تراویح کو تلتی بالقبول اور اجماع امت حاصل ہے۔ ہم اپنی اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے: (۱) بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے۔ (۲) اجماع امت شرعی حجت ہے۔

(۱) بیس رکعات تراویح پر اجماع امت ہے: سب سے پہلے اجماع امت کی تعریف جاننا ضروری ہے چنانچہ الشیخ احمد مٹھوی المعروف ملا جیونؒ فرماتے ہیں کہ:

”لغت میں اجماع کہتے ہیں کسی چیز پر متفق ہو جانا۔ وفي الشريعة اتفاق مجتہدین صالحین من امة محمد ﷺ في عصر واحد على امر قولی او فعلی۔ شریعت میں اجماع کہتے ہیں کہ ایک زمانہ کے صالحین مجتہدین کا کسی ایک امر قولی یا فعلی پر متفق ہو جانا۔ (نور الانوار ص ۲۲۳)

یعنی اجماع سے بے علم و بے شعور اور تقویٰ و فکر صالح سے محروم افراد کا ہڑبونگ مراد نہیں بلکہ صالحین فقہاء کا اتفاق مراد ہے۔ ہم گزشتہ باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ عہد خلافت راشدہ میں بیس رکعات نماز تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو چکا تھا جس کا اعتراف جمہور ائمہ اہل سنت فرما چکے ہیں اور طبقات امت میں سے قبول و اتباع کے حوالے سے سب سے برتر و افضل اجماع صحابہؓ ہے جیسا کہ یہ اصول موجود ہے کہ:

فالاقلوی اجماع الصحابة نصاب سب سے قوی و مضبوط اجماع، صحابہ کرامؓ کا ناطق اور صریح اجماع ہے۔ (نور الانوار ص ۲۲۶)

چونکہ اہل سنت والجماعت کے جملہ مکاتب فکر (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) اجماع صحابہ کو واجب الاتباع تسلیم کرتے ہیں اس لیے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اجماع صحابہ کی روشنی میں بیس رکعات نماز تراویح پر اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کا بھی اجماع ہے۔ آئیے اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

فَقَدْ حَسِبْنَا اَنْ رَّكْعَاتِ التَّرَاوِيحِ : سب سے پہلے ہم فقہ حنفی کے حوالہ سے

بحث کریں گے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں:

(۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: یصلی عشرين ركعة - بیس رکعت تراویح پڑھنی چاہیے

جیسا کہ سنت ہے۔ (المبسوط شرح ج ۲ ص ۱۴۴) (۲) علامہ قاضی خان فرماتے ہیں: مقدار التراويح

عند اصحابنا والشافعي عشرون ركعة - ہمارے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیس رکعات ہیں

پانچ ترویحوں کے ساتھ۔ (فتاویٰ ج ۱ ص ۱۱۲) (۳) علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح سنت

مؤكدہ ہیں وہی عشرون ركعة وهو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا - وہ

بیس رکعات ہیں اور یہی قول جمہور ہے اور مشرق و مغرب میں لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص

۶۶۰) (۴) علامہ محمد بن محمد حلبیؒ فرماتے ہیں: ان التراويح عندنا عشرون ركعة وهو مذهب

الجمهور - ہمارے نزدیک بیس رکعات ہیں اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ (کبیری ص ۳۸۸) (۵)

علامہ حسن الوفاؒ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں: التراويح سنة وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات -

تراویح کی بیس رکعات دس سلاموں کے ساتھ سنت ہیں۔ (نور الايضاح ص ۷۲) (۶) امام سرسختیؒ

فرماتے ہیں: فانها عشرون ركعة سوى الوتر عندنا (المبسوط ج ۲ ص ۱۴۴) (۷) علامہ ابن نجیم

مصریؒ فرماتے ہیں: التراويح عشرون ركعة وعليه عمل الناس شرقا وغربا (المحرم الرائق

ج ۲ ص ۶۶) (۸) علامہ ابوالبرکات نسفیؒ فرماتے ہیں: التراويح عشرون ركعة بعشر تسليمات

(کنز الدقائق ج ۱ ص ۴۰) (۹) علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کا سانیؒ فرماتے ہیں کہ واما قدرها

فعشرون ركعة وهذا قول عامة العلماء - تراویح کی مقدار جمہور علماء کے نزدیک بیس رکعات

ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۸۸) (۱۰) علامہ برہان الدین مرغینانیؒ فرماتے ہیں فیصلی بهم

امامهم خمس ترويحيات - پس لوگوں کا امام ان کو پانچ ترویحتے پڑھائے۔ (بدایہ ج ۱ ص ۱۳۰) (۱۱)

علامہ کمال الدین ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: ثبت العشرون من زمن عمرؓ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۳۳)

(۱۲) علامہ علاؤ الدین ہفکی دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ وہی عشرون رکعة (در مختار ج ۱ ص ۶۶۰)

(۱۳) علامہ بدر الدین العینیؒ فرماتے ہیں کہ انہا عدد عشرون رکعة وبہ قال الشافعی و احمد ونقلہ القاضي عن جمهور العلماء۔ تراویح بیس رکعات ہیں یہی امام شافعی و امام احمدہ مسلک ہے اور قاضی عیاض اندلسیؒ نے جمہور علما کے حوالے سے یہی مسلک نقل کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۴) حضرت مجدد الف ثانیؒ سفر و حضر میں نماز تراویح میں رکعات ادا کرتے تھے۔ (جواہر مجددیہ ص ۶۳) حضرت مجدد الف ثانیؒ از سید زوار حسین شاہ (ص ۲۵۴) (۱۵) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں تراویح کی تعداد بیس رکعات ہے۔ (حجة اللہ بالذہ ص ۵۰۵) مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوالبرکات احمدؒ فرماتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ بارہویں صدی کے مجدد ہیں۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ۲۶) (۱۶) شیخ احمد بن محمد بغدادیؒ فرماتے ہیں: فیصلی بہم امامہم خمس ترویحات (المختصر لنقد وری ص ۱۷) علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں: التراویح وہی عشرون رکعة (حاشیہ نور الایضاح ص ۲۷۰) (۱۸) علامہ عبد الحی نکضویؒ فرماتے ہیں: التراویح عشرين رکعة (العلق المجید ص ۱۴۰) ثبت اہتمام الصحابة علی عشرين فی عهد عمر و عثمان و علی فمن بعدهم (عمدة الرعاۃ ص ۲۰۷) فعلى هذا التعریف یكون السنة الموكدة هو عشرون رکعة لثبوت مواظبة الخلفاء علیها وان لم یثبت مواظبة الرسول ﷺ علیها فمودی ثمان رکعات یكون تارکاً للسنة الموكدة۔ پس اس تعریف کے اعتبار سے (کہ جس عمل پر خلفاء راشدینؓ کی مواظبت ثابت ہو، وہ بھی سنت موكدة ہے) بیس رکعات تراویح خلفاء ثلاثہ کی مواظبت کی وجہ سے سنت موكدة ہے اگرچہ اس پر آنحضرت ﷺ کی مواظبت ثابت نہیں لیکن آٹھ رکعات پڑھنے والا تارک سنت موكدة ہے۔ (حاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۱) (۱۹) صاحب شرح و قایہ فرماتے ہیں کہ: سن التراویح عشرون رکعة بعد العشاء (شرح الوقایہ ص ۲۰۷) (۱۹) قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح با جماعت سنت ہیں۔ (مالا بد منہ ص ۵۶) (۲۱) شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ امر بھی ضروریات دین سے ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ تراویح کی بیس رکعات ہیں اور ای پر عمل کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ

عزیزی ص ۴۵۲) (۲۲) مولانا احمد علی سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ احناف، شوافع اور حنابلہ میں رکعات تراویح پر متفق ہیں۔ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۰۱) (۲۳) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد تراویح کی بیس رکعات ہی مشہور ہیں۔ (ماثبت بالنسب ص ۲۱۰) (۲۴) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اجمع الصحابة على ان التراويح عشرون ركعة۔ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۴) (۲۵) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرام، جمہور تابعین اور فقہاء کا عمل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۶۵) جو لوگ آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں، وہ تارک فضیلت سنت ہیں۔ (ایضاً ص ۳۷۷) (۲۶) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ باقی رہی تراویح، اس میں جو آج کل کے ملائوں نے تخفیف نکال دی ہے یعنی بیس کی آٹھ کردی ہیں تو ہر ایک کو بوجہ آسانی یہ بات پسند آتی ہے پر یہ بات کوئی نہیں سمجھتا کہ آٹھ رکعتیں جو حدیث میں آئی ہیں، وہ تہجد کی رکعتیں ہیں۔ تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز۔ تراویح کی بیس ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہزار ہا صحابہؓ تھے۔ اس زمانے سے لے کر آج تک کسی نے بیس رکعت پر کچھ حجت نہ کی تھی مگر آج کل ایسے ان پڑھ امی عالم پیدا ہوئے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کی بھی غلطی نکالی۔ سبحان اللہ یہ منہ اور مسور کی دال۔ (تصفیۃ العقائد ص ۴۵) (۲۷) علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ولم يقل احد من الائمة الاربعة باقل من عشرين ركعة فهى التراويح واليه ذهب جمهور الصحابة۔ ائمہ اربعہ میں سے بیس سے کم کا کوئی بھی قائل نہیں اور یہی جمہور صحابہؓ کا عمل ہے۔ (العرف الشذی ص ۳۰۸) علما نے حضرت عمرؓ سے بیس رکعات تراویح کے ثبوت پر اتفاق کیا ہے۔ پس جو آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سوادِ معظم سے کٹ گیا اور امیں بدعتی کہتا ہے، وہ اپنا انجام سوچ لے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۲۰) (۲۸) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں تراویح کی بیس ہی رکعت مسنون ہیں۔ تعلیم الاسلام ص ۱۴۹) (۲۹) فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ تراویح میں پانچ تروتھے ہیں اور ہر ترویجہ میں چار رکعات ہیں دو سلاموں کے ساتھ۔ (ج ۱ ص ۱۸۴) فتاویٰ عالمگیری وقت کے پانچ سو جدید علما کا مرتب کردہ ہے۔

ہر دور کے جدید علمائے احناف کے حوالہ جات آپ ملاحظہ فرما چکے۔ ان سے اندازہ کر لیجیے کہ بیس

رکعات تراویح کے بارے میں علمائے احناف کا نظریہ متواتر، اجماعی اور غیر متوازن ہے اور وہ ہر دور میں اسی کے قائل و عامل رہے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ

فَإِنَّهُ مَا لَكِي وَأَنْ رَكْعَاتِ تَرَاوِيحٍ : گزشتہ باب میں گزر چکا ہے کہ اصحاب مدینہ نے واقعہ حرہ کے بعد سولہ رکعات نوافل (جو بین الترتبین پڑھے جاتے تھے) کو بھی تراویح کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ چونکہ وہ ان نوافل کو تراویح کی طرح باجماعت ادا کرتے تھے اس لیے دیکھنے والوں کو ان کی رکعات چھتیس محسوس ہونے لگیں اور امام مالکؒ کے نزدیک چونکہ اہل مدینہ کا عمل بھی حجت ہے اس لیے انہوں نے بھی اپنے فقہی اصول کے مطابق وہی عمل اختیار کر لیا چنانچہ :

امام ابن العربی المالکی فرماتے ہیں کہ امام مالک کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث اہل مدینہ میں مشہور ہو جاتی ہے تو وہ سند کی تنقیح سے مستغنی ہو جاتی ہے۔ (شرح ترمذی بحوالہ اختلاف الامہ ص ۸۲) علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ انتہائے محبت یہ ہے کہ جمہور اسلام کے خلاف امام مالک مکہ معظمہ پر مدینہ منورہ کو برتری دیتے ہیں۔ (حیات مالک ص ۸۷) مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ ”امام مالک ۹۳ ہجری کے قریب پیدا ہوئے۔ ۷۸ء کے قریب انتقال فرمایا۔ عام طور پر کبار صحابہؓ ۳۰ھ سے پہلے ہی دینی خدمات کے سلسلے میں عراق، شام، فارس وغیرہ مفتوحہ ممالک کی طرف تشریف لے جا چکے تھے۔ دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے مدینہ میں علوج کی کثرت ہو گئی تھی جو دنیوی مقاصد کے لیے مدینہ کو تقریباً اپنا مسکن بنا چکے تھے۔ شہادت عثمان اور بعد کے واقعات و حوادث کا ایک سبب اہل الرائے اور کبار صحابہؓ کی عدم موجودگی بھی تھی۔ ان حالات میں اہل مدینہ کے عمل کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ قرین قیاس تو یہ ہے کہ اس وقت کے عمل کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔“ (جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص ۳۵) اہل مدینہ بعض اہم سنتوں کو ترک کر چکے تھے۔ (ایضاً ص ۳۶)

مولانا سلفی مرحوم کے نزدیک بھی امام مالک کا اہل مدینہ کے عمل کو دلیل بنانا درست نہیں اور یہ بھی عہد صحابہ کے بعد اہل مدینہ کے عمل کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا بالخصوص ان مسائل میں جن پر قرآن و سنت، سنت نبویؐ اور تعامل صحابہؓ سے دلیل موجود ہے اسی لیے امام حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں :

وَعَمَلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ الَّذِي يَحْتَجُّ بِهِ مَا كَانَ فِي زَمَنِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَامَا

عملہم بعد موتہم وبعد انقراض عصر من بہا من الصحابة فلا فرق بینہم
وبین عمل غیرہم

یعنی اہل مدینہ کا عمل صرف خلفاء راشدین کے زمانے میں حجت ہے۔ خلفاء راشدین کی وفات
اور صحابہ کرام کا دور گزر جانے کے بعد اہل مدینہ کے عمل اور بعد کے لوگوں کے عمل میں کوئی فرق
نہیں۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۶۸)

بہر حال امام مالکؒ نے اپنے قاعدہ اور اصول کے مطابق اہل مدینہ کا چھتیس رکعت کا عمل اپنالیا
حالانکہ یہ عمل خلفاء راشدین سے ہرگز ثابت نہیں چنانچہ لکھا ہے کہ وحکسی عنہ التراويح ست
وثلاثون رکعة۔ امام مالکؒ سے چھتیس رکعات تراویح بیان کی گئی ہیں۔ (رحمۃ الامۃ فی اختلاف
الائمۃ ج ۱ ص ۵۶۔ یعنی شرح بخاری ج ۴ ص ۱۲۶۔ مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۱۴۴۔ شرح السنۃ للبغوی ج ۲
ص ۱۲۲۔ مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۸۰۳ وغیرہم)

لیکن علامہ ابن رشدؒ مالکیؒ فرماتے ہیں کہ واختار مالک فی احد قولہ ابو حنیفہ
والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر و ذکر ابن القاسم عن
مالک انه کان يستحسن ستا وثلاثین رکعة والوتر ثلاث

پس امام مالکؒ نے ایک قول کے مطابق امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد
ظاہریؒ کی طرح بغیر وٹروں کے بیس رکعات اختیار کیں جبکہ ابن القاسم کا بیان ہے کہ امام مالکؒ چھتیس
رکعات اور وتر پسند کرتے تھے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۴) شیخ ابن القاسم فقہ مالکی کے ممتاز ترجمان ہیں
اور مذہب مالکی میں پہلی تصنیف المدونۃ الکبریٰ انہی کی ہے۔ ۹۱۰ھ میں وفات پائی۔

علامہ ابن رشدؒ کی مذکورہ تحقیق کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام داؤد
ظاہریؒ کا بیس رکعات تراویح پر اتفاق ہے البتہ امام مالک کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک بیس کا
اور دوسرا چھتیس کا۔ علامہ ابن رشدؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی عمل امام مالکؒ کا اہل مدینہ کی
اتباع میں چھتیس رکعت کا تھا لیکن بعد میں انہوں نے اسے ترک کر کے بیس رکعات کا عمل اپنالیا۔ اور یہ
بات اس لیے بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اکثر علماء مالکیہ بیس رکعات تراویح پر ہی عمل پیرا ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عبد البر المالکیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر فقہاء اور جمہور علماء کے نزدیک تراویح بیس

رکعات مسنون ہیں۔ (عمدة القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷) اور علامہ ابن عبدالبر کے نیس رکعات تراویح کے قائل ہونے کا اعتراف مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ نے تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۴ پر اور نواب صدیق حسن خانؒ نے ہدایۃ السائل ص ۱۳۸ میں بھی کیا ہے۔ علامہ زرقانی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ عہد فاروقیؓ میں پہلے گیارہ رکعت پڑھی گئیں پھر بیس پر عمل پختہ ہو گیا۔ (زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۱۵) اور علامہ ابن رشد المالکیؒ کا حوالہ گزر چکا ہے۔ علماء مالکیہ کے انہی اقوال کی روشنی میں علامہ عبدالرحمن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ المالکیہ قالوا عدد التراويح عشرون رکعة سوى الشفع والوتر۔ علماء مالکیہ کا قول یہی ہے کہ تراویح وتر اور شفع کے بغیر بیس رکعات ہیں۔ (الفقه علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۳۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ نے بھی بالآخر بیس رکعات کا عمل اختیار کر لیا تھا اور ان کے مقلدین کا عمل بھی بیس رکعات کا ہی تھا۔

ایک ضابطہ فقہی کا ان کے غیر مقلدین عام طور پر یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ علامہ بدرالدین العینیؒ نے عمدة القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷ میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے لیے آٹھ رکعات تراویح کا عمل اختیار کیا حالانکہ علامہ عینیؒ کو ضرور اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ امام مالکؒ کے اپنے مقلدین میں سے کوئی بھی امام مالکؒ سے آٹھ رکعات کا عمل نقل نہیں کرتا اور نہ فقہ مالکیہ کی کسی مستند کتاب میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے برعکس علماء مالکیہ امام مالکؒ سے چھتیس رکعات کا عمل نقل کرتے ہیں لیکن بعد میں اسے ترک کر کے بیس رکعات اختیار کرنے کا عمل نقل کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام مالکؒ کی طرف منسوب آٹھ رکعات کا قول درست نہیں۔

فقہ شافعی اور رکعات تراویح: گزشتہ اوراق میں کئی حوالوں سے گزر چکا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی رکعات تراویح بیس ہیں اور ان کے مقلدین کا بھی بیس رکعات پر اتفاق ہے چنانچہ

(۱) امام محمد بن ادریس الشافعیؒ فرماتے ہیں احب الی عشرون لانه روى عن عمر و كذلك يقومون بمكة۔ مجھے بیس رکعات تراویح محبوب ہیں کیونکہ وہ حضرت عمرؓ سے

مروی ہیں اور اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے۔ (کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۵۔ قیام اللیل ص ۱۵۰۔ المختصر للفرنی ص ۲۱) (۲) امام محی الدین نووی الشافعیؒ فرماتے ہیں: اعلم ان صلوة التراویح سنة بالاتفاق وهي عشرون ركعة۔ بیس رکعات تراویح باتفاق علامت ہیں۔ (کتاب الاذکار ص ۸۳) مذهبنا انہا عشرون ركعة۔ ہمارا مذہب بیس رکعات کا ہی ہے۔ (المہذب ج ۲ ص ۳۲) (۳) امام ابو حامد غزالی الشافعیؒ فرماتے ہیں: التراویح وهي عشرون ركعة وهي سنة مؤكدة۔ تراویح بیس رکعات سنت موکدہ ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۸۰) (۴) امام عبدالرحمن دمشقی الشافعیؒ فرماتے ہیں: التراویح عشرون ركعة (رحمة الامة ص ۵۸) (۵) امام ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ الترمذی الشافعیؒ فرماتے ہیں: واكثر اهل العلم على ما روى عن علي وعمر وغيرهما من اصحاب النبي ﷺ عشرين ركعة۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ صحابہ کرام سے مروی روایات کی بنیاد پر اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔ (ترمذی ج ۱ ص ۹۹) (۶) امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی الشافعیؒ فرماتے ہیں: ثم استقر الامر على العشرين وهو المتوارث۔ پھر معاملہ بیس رکعات پر قرار پکڑا اور وہی متواتر ہو گیا۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۵۱) (۷) امام ابن حجر مکی الشافعیؒ فرماتے ہیں ولكن اجتمعت الصحابة على ان التراویح عشرون ركعة (مرواۃ ج ۳ ص ۱۹۱) (۸) علامہ تاج الدین سبکی الشافعیؒ فرماتے ہیں: ومذهبنا ان التراویح عشرون ركعة (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۵۰) (۹) امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ سند صحیح سے ثابت ہے کہ عہد فاروقیؓ میں لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۲۸) مولانا میر ابراہیمؒ سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ امام سیوطی خاتمہ الحفاظ اور بالاتفاق نویں صدی کے مجدد ہیں۔ (الکواکب المہیئہ ص ۹۵) (۱۰) امام عبد الوہاب شعرانی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تراویح بیس رکعات ہیں۔ (المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۴۔ کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۱۶) (۱۱) امام بغوی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین انہم کانوا يصلون عشرين ركعة (شرح السنہ ج ۲ ص ۱۲۲) (۱۲) علامہ عراقی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح ابو حنیفہؒ، ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور جمہور کا مذہب ہے۔ (شرح التقریب ج ۴ ص ۶۲) (۱۳) الشیخ عیسیٰ بن عبد اللہ الحمیری الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیس

رکعات تراویح پر پوری امت اور تمام ائمہ متفق ہیں۔ وانما الخلاف فی من زاد۔ البتہ

اختلاف ان سے زائد رکعات میں ہے۔ (القول الصحیح فی صلاۃ التراویح ص ۱۷)

شافعی المذہب مذکورہ علما کے اقوال و فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ شوافع بھی سب کے سب بیس

رکعات پر متفق ہیں اور اس مسئلے میں ان کے اندر کوئی اختلاف موجود نہیں۔

ایک ضابطہ فقہی کا ان کا: بعض غیر مقلدین امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن

والآثار ج ۱ ص ۴۴۷ کے حوالے سے امام شافعی کا یہ مذہب بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن یوسف

کی گیارہ رکعات والی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ هذا مذہبی۔ یہی میرا مذہب ہے۔ لیکن غیر

مقلدین کا یہ دعویٰ ناقابل تسلیم ہے کیونکہ امام شافعی کی اپنی تحریرات اور ان کے مقلدین کی تحقیقات اس

دعویٰ کی نفی کرتی ہیں کیونکہ

(۱) اگر یہ بات درست ہوتی تو خود امام بیہقی عہد فاروقی میں گیارہ رکعات کے عمل کو متروک اور

بیس رکعات کے عمل کو جاری و متواتر کیوں تسلیم کرتے؟ جیسا کہ مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۲، تحفۃ

الاخیار ص ۱۹۱ اور السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶ وغیرہ کے حوالے سے ان کا مذہب گزشتہ اور اق

میں بیان ہو چکا ہے۔ (۲) امام شافعی کے مقلدین میں سے امام نووی، امام غزالی، امام ترمذی،

امام ابن حجر مکی، امام سیوطی، امام شعرائی، امام بغوی اور امام عراقی جیسے ائمہ بیس رکعات

کے مذہب کو جمہور کا مذہب قرار دیتے ہوئے اسے کیوں قبول کرتے؟ (۳) خود امام شافعی اپنی

معروف کتاب "الام" ج ۱ ص ۱۲۵ میں یہ کیوں فرماتے کہ احب الی عشرین۔ میں بیس

رکعات کو پسند کرتا ہوں۔ امام شافعی کی اپنی اس تحریر کے مقابلے میں ان کی ذات کے بارے

میں کسی دوسرے کی تحقیق کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟

ان ناقابل تردید حوالہ جات کی روشنی میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ معرفۃ السنن والآثار میں امام شافعی کی

طرف منسوب هذا مذہبی کا جملہ یا تو الحاقی ہے اور یا یہ وہم راوی پر پڑی ہے۔

فہم عنہ اور رکعات قدر اربع: حنا بلہ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام

احمد بن حنبل اور ان کے مقلدین بھی بیس رکعات تراویح پر متفق ہیں اگرچہ بعض حضرات سے امام احمد بن

جہاں کے بارے میں مختلف اقوال آجوں ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ بھی جس رکعت پر کسی نے بارگاہِ حشر، مترجم فرماتے ہیں کہ یہ ماحول کے نزدیک رکعت تیسری ہے۔ (تفہیم قرآن) ۹۹ شریعت اللہ ہونی فرماتے ہیں کہ حشر حصہ ہیں حبیب میں اسی عشرۃ وثلاث وعشرون رکعت۔ یعنی یہ ماحول کے نزدیک تیسری رکعت میں سے کسی پر بھی نہیں کہے جاتے۔ یہ ہے (مغنی عن المحتملین) کے مترجم محمد بن اسماعیل فرماتے ہیں کہ وہ المحار عند ابی عبد اللہ فیہ عشرون رکعت وہیہ قال للوری و یوحیہ والنہی عن یحیر ہور ان قوں کے مطابق یہ ماحول تیس رکعت کے قوں کے جیسے کہ خیانت قوں کے بارے میں بھی ہے لیکن مذہب ہے (مغنی عن المحتملین) اور مبین قرآن میں اس بحث کو مہم جویر کے میں قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس میں واضح صداقت نظر آتی ہے حشر

(۱) یہ مبین قرآن حسنی فرماتے ہیں کہ وہیہ شہر، مصلح عشرون رکعت وہی سنۃ مویکۃ (مغنی عن المحتملین) ۹۰۲ (۲) شیخ عبد القادر جیلانی حسنی فرماتے ہیں کہ وہیہ کی تیس رکعت ہیں، پانچ ترکوں کے ساتھ۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۰۲) (۳) یہ مبین احادیث حسنی فرماتے ہیں کہ وہیہ کی تیس رکعت ہیں۔ (اموۃ ص ۵۶۰) (۴) یہ مبین تیس حسنی فرماتے ہیں کہ وہیہ نہایت نامی میں کعب کان یقول واللہ عشرون رکعت ویونسر ثلاث۔ یہ شک یہ بہت شد و حقیقت ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے وہیہ کی تیس رکعات اور تین وتر پڑھائے۔ (قولی ابن تیمیہ ص ۳۳) (۵) ان قباجر مصلح نام یوقت النبی ﷺ فیہ عدد امعابیل کان ہو صلی لا یوید فی رمضان ولا فی حورہ علی ثلاث عشرۃ رکعت نکر کان یقول ان رکعات ہما جمعہم عمر عن ابی بن کعب کان یصلی بہم عشرون رکعت نہ یوتر ثلاث۔ آنحضرت ﷺ سے رکعات تراویح کی تعداد متعین نہیں بلکہ آپ رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زائد پڑھتے تھے لیکن جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب کی امانت میں جمع کیا تو انہوں نے تیس رکعات اور تین وتر پڑھائے۔ (شرح المذہب ص ۴۳)

گویا امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک اول تو سنت نبوی رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعات کی ہے اور

پھر اس میں بھی عہد فاروقی میں اضافہ کر کے بیس رکعات کر دی گئیں۔ اب رکعات تراویح کے لیے عہد فاروقی کا عمل ہی دلیل و حجت قرار پایا۔ چنانچہ حنابلہ کی مستند کتاب ”مقنع“ ج ۱ ص ۱۸۴ میں لکھا ہے: ثم التراویح وهی العشرون اور ان کی ایک اور مستند کتاب ”الافتاح“ میں اس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ التراویح عشرون رکعة ولا یقصها ولا یاس بالنزیادۃ تراویح بیس رکعات ہیں، ان میں کمی کرنا جائز نہیں البتہ (بطور نوافل) اس میں زیادتی کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (ج ۱ ص ۱۴۷) ان حوالہ جات کی روشنی میں امام احمد بن حنبل کا مذہب رکعات تراویح سے متعلق سمجھنا اور معلوم کرنا دشوار نہیں۔

فقد ظاہر ہوا اور کثافت تراویح: اسلامی تاریخ کے اندر فقہ کے مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے علاوہ ”ظاہریہ“ کے نام سے ایک پانچویں مکتب فکر کا نشان بھی ملتا ہے جس کے پیشوا امام داؤد ظاہری اور علامہ ابن حزم ظاہری تھے۔ یہ مکتبہ فکر فکری اعتبار سے ترک تقلید کی طرف مائل تھا اور احادیث کے ظاہری مفہوم کو ہی قابل عمل جانتا تھا۔ اس ظاہری مکتب فکر کے نزدیک بھی رکعات تراویح بیس ہی ہیں جیسا کہ علامہ ابن رشد مالکی نے بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۰۲ میں اور امام نووی الشافعی نے المہذب ج ۲ ص ۳۲ میں امام داؤد ظاہری کا یہی مذہب نقل کیا ہے کہ وہ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔

اجماع امت کئی شریعتی حیثیت کیا ہے؟: یہ معلوم ہو چکنے کے بعد کہ بیس رکعات تراویح پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے، بیس رکعات سے کم کا تصور کہیں موجود نہیں اور اس سے زائد کا جو اختلاف ہے، وہ بیس رکعات کے اجماع کو متاثر نہیں کرتا کیونکہ زائد رکعات کی حیثیت صرف نوافل کی ہے جو اہل مدینہ سے نسبت کے لیے اختیار کی گئی۔ اب ہم مسئلہ کے اس پہلو کی وضاحت بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ اجماع امت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اجماع سے کن کن لوگوں کا اجماع مراد ہے؟: حجت اجماع کی بحث سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ ائمہ اہل سنت کے ہاں کن لوگوں کا اجماع قابل قبول ہے چنانچہ شیخ احمد ایٹھوی المعروف ملا جیون فرماتے ہیں کہ ”ان لوگوں کا اجماع معتبر ہے جو مجتہد اور متقی ہوں، فاسق اور

خوابشات کی پیروی کرنے والے تھیں۔“ (تفسیرات احمدیہ ص ۳۶۳)

اب اس تعریف کی روشنی میں جس رکعات تراویح کے قائلین مذکورہ ائمہ و اصحاب علم پر یہ تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟ اگر ان پر یہ تعریف صادق آتی ہے (اور بلا شک و شبہ آتی ہے) تو پھر ان کے اجماع کو قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ پھر حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (جنہیں بالاتفاق بارہویں صدی کا مجدد تسلیم کیا گیا ہے) نے تو اجماع کی تعریف اور آسان کر دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ، امام احمد، امام حنفیہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد جس مسئلہ پر متفق ہو جائیں، وہ اجماع امت کہلائے گا۔ (عقد عجید) عین برہنہ سے یہ مقلدین حسب عادت اس مسئلے میں بھی اہل سنت سے اختلاف کرتے ہیں چنانچہ اب صدیق حسن خان فرماتے ہیں کہ

وذهب الجمهور الى ان اجماع الائمة الاربعة امي حيفة والشافعي ومالك
واحمد ليس بحجة۔ جنی جمہور کا مسکبکی ہے کہ ائمہ اربعہ کا اجماع حجت نہیں۔
(حصول المامول ص ۶۵)

دو کون سے جمہور ہیں جو ائمہ اربعہ کے اجماع کو حجت نہیں مانتے، نواب صاحب نے اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھا۔ ممکن ہے ان کے پیش نظر ریاست بھوپال (جہاں کے وہ نواب تھے) کے جمہوریوں کیونکہ امت مسلمہ کے جمہور کا تو یہ موقف درست نہیں۔ غالباً نواب صاحب کو یہ شوشا اس لیے چھوڑنا پڑا کہ امت تو ائمہ اربعہ کی تھیں پر بھی متفق ہے اور اس پر اجماع امت پایا جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ کے اجماعی فیصلوں کو ناقابل قبول اور ناقابل اعتدال ٹھہرا دیا جائے تو امت کا نظریہ تھلید خود بخود کھو جائے گا کیونکہ جب ان کے اجماعی فیصلے حجت نہیں تو ان کے انفرادی قیاسی فیصلے کیونکر حجت ہوں گے؟ اور یہی نواب صاحب کا بھی مقصود ہے۔

اجماع حجت شرعیہ ہے۔ بہر حال ہمارے نزدیک اجماع امت حجت ہے اور اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا یہ واضح ارشاد موجود ہے کہ ان الله لا يجمع امي على الصلالة۔ خدا تعالیٰ میری امت کو کسی گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔

۔ گویا جس طرح خدا تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی، اسی طرح فرمان نبوی

کے مطابق خدا تعالیٰ نے امت کی اجماعی فکر کو بھی اپنی حفاظت میں لے لیا۔ آئیے اب اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں اسلاف امت کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیے اور فیصلہ کیجیے کہ اجماع امت حجت شرعیہ ہے یا نہیں؟ چنانچہ:

(۱) امام ابن تیمیہؒ الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا لفظ نص کو متضمن ہے اور جماعت کا اجماع کو لہذا اہل السنۃ والجماعت وہ لوگ ہیں جو نص اور اجماع کے متبع ہیں۔ (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۲۷۲) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ تلقی بالقبول (اجماع امت) کو متواتر ہی کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اما السلف فلم یکن بینہم فی ذالک نزاع۔ اسلاف کے اندر اس بارے میں کوئی اختلاف موجود نہ تھا۔ (الصواعق المحرقة ج ۲ ص ۳۷۳)

(۲) امام حافظ ابن عبد البر المالکیؒ فرماتے ہیں کہ وہكذا اجماع الامۃ اذا اجتمعت علی شیء فهو الحق الذی لا شک فیہ۔ جب امت کسی چیز پر متفق ہو جائے تو اس کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ (التمہید ج ۴ ص ۲۶۷) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث (البحر هو الطهور ماؤه) کو محدثین سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیتے ہیں و لکن عندی صحیح لان العلماء تلقوه بالقبول لیکن میرے نزدیک یہ حدیث علما کے تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح ہے۔ (الاستذکار)

(۳) امام عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اجماع الناس علی شیء اوثق فی نفسی من سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمة عن ابن مسعود یعنی ایک طرف درجہ اول کی مضبوط (ثقة راویوں پر مشتمل) سند کے ساتھ مروی حدیث ہو اور دوسری طرف اجماع امت تو وہ اجماع اس حدیث سے زیادہ قابل قبول ہوگا۔ (کفایہ خطیب ص ۴۳۴)

(۴) امام جلال الدین سیوطیؒ الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ المقبول ما تلقاه العلماء بالقبول وان لم یکن اسناد صحیح۔ جس چیز کو علما کا تلقی بالقبول حاصل ہو، اگرچہ وہ صحیح سند سے ثابت نہ ہو وہ مقبول ہے۔ (شرح نظم الدرر) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ یحکم للحديث

بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له استاذ صحيح۔ عا کے تقبی بالقبول سے
حدیث کی صحت پختہ ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔ (تدریب الدینی)

(۵) حضرت مجدد الف ثانیؒ اٹھنی فرماتے ہیں کہ اجماع نصوص غیر متواترہ سے قوی نہ ہوتا ہے
کیونکہ اجماع کا مدلول قطعی ہوتا ہے اور نصوص غیر متواترہ کا قطعی۔ (کتبہات)

(۶) علامہ ابن خلدون المائیکی فرماتے ہیں کہ فعل نفسی اگر حدیث قطعی کے موافق ہو تو مامور
حنیفہ اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیا کرتے۔ (مقدمہ ص ۳۸)۔ یعنی ایک حرف و قول کا
اجماع عمل ہوتا اور دوسری طرف حدیث صحیح تو حضرت امام اعظمؒ امت کے حقائق میں وقبول کرتے۔

(۷) امام ابو بکر صاؒ رازی اٹھنی فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ سے روایت ہو تو
مردی ہوں و ظہر عمل السلف باحلہما کان الفی ظہر عمل السلف بہ وی
بالاثبات۔ اور ان میں سے ایک پر اسلاف امت کا عمل جاری ہو جائے تو وہ حدیث ثبوت سند میں
مقدم ہوگی۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷)

(۸) امام محمد بن جعفر الطحاویؒ اٹھنی فرماتے ہیں کہ جب متقدم و آخرا سے آجائیں تو وجہ ان
نظر ما علیہ عمل المسلمین۔ تو یہ دیکھنا واجب ہے کہ مسلمانوں کا عمل ان میں سے کس پر ہے
وہی قبول کیا جائے گا۔ (طحاوی ج ۱ ص ۳۴)

(۹) الشیخ ملا جیون اٹھنی فرماتے ہیں کہ جس خبر واحد کو امت کا تقبی بالقبول حاصل ہو جائے اس کی
سند پر بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (نور الانوار) کو دوسرے مقام پر مومن بشریٰ الرسول
(النساء) کے تحت فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہے کہ اجماع کی مخالفت حرام ہے کیونکہ مومن وہ
مومنوں کے راستے کی خلاف ورزی پر سخت سزا کی دھمکی دی گئی ہے جس جب مومنوں کے راستے کی
خلاف ورزی حرام و ممنوع ہے تو مومنوں کی راہ پر چلنا واجب ہے۔ دوسرے فقہوں میں اجماع امت
حجت ہے اور اس کا منکر بھی اسی طرح کافر ہے جس طرح کتاب اور سنت متواترہ کا منکر کافر ہے نیز
اجماع خبر مشہور اور خبر واحد پر مقدم ہوگا بشرطیکہ ہم تک پہنچنے تک ہر زمانہ میں مومنین کا اس پر اجماع رہا
ہو۔ اجماع میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی داعی و سبب موجود ہو جو اس سے مقدم ہو۔ یعنی ضروری ہے

کہ حکم پہلے خبر واحد یا قیاس سے ثابت ہو، پھر امت اس پر اتفاق کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہے ہم اس حکم پر اجماع کرتے ہیں یا ہر ایک یہ کام شروع کر دے۔ اس صورت میں یہ واجب ہے۔ (تفسیرات احمد یہ ص ۶۳) دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ان الاجماع فی الامور الشرعیۃ فی الاصل یفید الیقین والقطعیۃ.... وقد ضل بعض المعتزلة والروافض فقالوا ان الاجماع لیس بحجة۔ اجماع شرعی امور میں یقین اور قطعیت کا فائدہ دیتا ہے۔ بعض معتزلہ اور روافض اس مسئلے میں گمراہ ہو گئے جو کہتے ہیں کہ اجماع حجت نہیں۔ (نور الانوار ص ۲۲۵)

(۱۰) امام معمر بن راشدؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حائضہ عورت روزہ قضا کرے گی۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا ہذا ما اجتمعت الناس علیہ ولیس فی کل شیئ نجد الاسناد۔ لوگوں کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا اور ہمیں ہر چیز میں سند نہیں مل سکتی۔ (عبدالرزاق ج ۱ ص ۳۳۲)

(۱۱) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اجماع بھی شرعی حجت ہے، اس کا منکر کافر ہے۔ (فتاویٰ ص ۴۵۳)

(۱۲) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث (ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالة) اجماع کے قطعی ہونے کی دلیل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۸)

(۱۳) مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو امت کے تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے۔ (اخبار اہل حدیث ۱۱۹ اپریل ۱۹۰۷، بحوالہ خیر المصانح)

(۱۴) مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ غیر مقلد فرماتے ہیں کہ

”امت کے قبول و عمل سے بھی حدیث یقین کے مقام پر پہنچ جاتی ہے۔ حدیث انما الاعمال بالنیات، حدیث ذوق عسلیہ، صدقہ فطر، حرمت نکاح مع العتہ والخالۃ، حدیث حرمت رضاع مثل نسب، تعیین عشرہ مبشرہ وغیرہ احادیث کو امت نے عملاً قبول کیا ہے۔“ (جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص ۵۷) ”بخاری و مسلم کی احادیث کی صحت پر امت متفق ہے اور انہیں تلقی بالقبول کا مقام حاصل ہوا۔“ (ایضاً ص ۵۸) ”امت کی تلقی ائمہ حدیث اور اہل حدیث کے نزدیک بے حد مضبوط قرینہ ہے۔“ (ایضاً ص ۵۸)

حاصل بحث: ان حوالہ جات کی روشنی میں یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ (۱) قرآنی تعلیمات کے مطابق اجماع امت کی خلاف ورزی کرنے والا جہنمی ہے۔ (۲) فرمان نبوی کے مطابق امت محمدیہ کا اجماع گمراہی سے پاک ہے۔ (۳) اجماع امت اور تلقی بالقبول شرعی حجت ہے اگرچہ سند کے اعتبار سے کوئی صحیح حدیث اس کے ثبوت میں موجود نہ ہو۔ (۴) مضبوط سند کے ساتھ مروی روایت کے مقابلے میں اجماع امت زیادہ وزنی شہادت ہے۔ (۵) اجماع نصوص غیر متواترہ (خبر واحد و خبر مشہور وغیرہ) سے قوی تر ہے۔ (۶) تلقی بالقبول اگر ضعیف روایت کو بھی حاصل ہو جائے تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور متعدد روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں لیکن امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے ان کا ضعف ختم ہو گیا۔ (۷) اہل السنۃ والجماعت کی پہچان یہی ہے کہ وہ نص اور اجماع کی پیروی کرنے والے ہیں۔ (۸) اجماع امت اور تلقی بالقبول کا منکر کافر و گمراہ اور منکر قرآن و سنت ہے۔

اقتسام حجت: اس مذکورہ بحث کو اس پہلو سے بھی دیکھیے کہ

☆ امام ابن تیمیہؒ عہد خلافت راشدہ میں بیس رکعات پر اجماع بھی تسلیم کرتے ہیں اور قبول اجماع کو اہل سنت کی پہچان بھی قرار دیتے ہیں۔ ☆ حافظ ابن عبد البرؒ حلقی بالقبول کو حجت شرعیہ بھی مانتے ہیں اور بیس رکعات تراویح پر اجماع امت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ☆ امام اعظم ابو حنیفہؒ حلقی بالقبول کو حجت بھی مانتے ہیں اور بیس رکعات تراویح پر اجماع بھی نقل کرتے ہیں۔ ☆ امام سیوطیؒ حلقی بالقبول کو حجت شرعیہ بھی قرار دیتے ہیں اور بیس رکعات پر امت کی تلقی کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔

گویا فقہ کے چاروں مذہب دونوں حقیقتوں کے معترف ہیں۔ اجماع و تلقی بالقبول کے حجت ہونے کے بھی اور بیس رکعات پر اجماع کے بھی۔ اس کے باوجود غیر مقلدین کا اس سے انکار و فراد لائل شرعیہ اور حقائق تاریخیہ سے بغاوت کے مترادف ہے۔

اقتسام حجت: بیس رکعات تراویح پر اجماع امت کا انعقاد آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہے لیکن اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بیس رکعات پر اجماع امت نہیں تو اس حقیقت سے

تو غیر مقلدین کو بھی انکار نہیں کہ کم از کم یہ اصحاب علم کی اکثریت کا مذہب ضرور ہے اور اس بارے میں بھی فرمان نبوی واضح ہے کہ اتبعوا السواد الاعظم یعنی اکثریت کی پیروی کرو۔ (ابن ماجہ ص ۲۹۲۔ المعجم الکبیر للطبرانی ج ۸ ص ۳۲۸)

لہذا غیر مقلدین کو اس فرمان نبوی کی روشنی میں بیس رکعات تراویح سواد اعظم کے مذہب و مسلک کی حیثیت سے قبول کر لینی چاہئیں لیکن غیر مقلدین کی یہ انتہائی بد نصیبی ہے کہ ان کا اتباع حدیث ان چند مخصوص مسائل سے تجاوز نہیں کرتا جو انہوں نے اپنے مسلکی تشخص و پہچان کے لیے اختیار کر رکھے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے حال پر رحم فرمائے اور انہیں اتباع حدیث کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت جیسا ذوق سلیم عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

نوٹ: یہاں یہ حقیقت واضح رہے کہ سواد اعظم سے امت کے مسلمہ علماء و فقہا مراد ہیں جن کا علم و دیانت ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ اس سے جاہل و بے شعور عوام کا اجتماع ہرگز مراد نہیں۔

باب ششم

اصطلاح تراویح اور تعداد تراویح

سنت و رکعات تراویح پر بحث کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قیام رمضان کے نبوی عنوان کے لیے تراویح کی متواتر اصطلاح کے حوالہ سے بھی مختصر بحث کر لی جائے کہ اس کی لغوی و اصطلاحی اور تاریخی حیثیت کیا ہے۔ اہل سنت اور غیر مقلدین دونوں اس حقیقت پر متفق ہیں کہ قیام رمضان کے لیے تراویح کی اصطلاح قرآن و حدیث سے ثابت نہیں بلکہ یہ ایک خالص اجتہادی اصطلاح ہے جو قیام رمضان کی مستقل عبادت کے لیے وضع کی گئی۔ اور اکابر سے منقول ہے۔ آئیے حقائق کے آئینہ میں یہ جاننے کی کوشش کریں کہ یہ اصطلاح مبنی بر حقیقت ہے یا خلافت حقیقت۔ اور پھر فریقین میں سے کس کے ہاں اس کا استعمال مبنی بر حقیقت ہے۔

سنن ائرو سنن اربن اصطلاح : اس اصطلاح کی روشنی میں یہ امر قابل غور ہے کہ اپنے مقاصد و مفاد سے قطع نظر یہ محض ایک وقتی و ہنگامی اصطلاح ہے یا اس کے اندر واقعیت و حقیقت بھی موجود ہے۔ کیونکہ تراویح جمع ہے جو کم از کم تین افراد کا مطالبہ کرتی ہے۔ تین سے کم افراد پر بحیثیت جمع وہ دلالت ہی نہیں کرتی۔ اب حقیقت کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس کے اندر کم از کم تین ترویحوں کا وجود تسلیم کیا جائے۔ اور ایک ترویج چار رکعت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح تین ترویجے بارہ رکعات پر مشتمل ہوں گے۔ یعنی لفظ تراویح کی حقیقت و معنویت کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں بارہ رکعات کا کم از کم تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ اس سے کم پر وہ کسی صورت صادق آ ہی نہیں سکتی۔ گویا لفظ تراویح کو اگر حقیقت کے ترازو میں تولد اور معنویت کے آئینہ میں دیکھا جائے تو بارہ رکعت سے کم کا تصور خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس تصور کو بحال رکھ کر تین سے کم ترویجے تسلیم کیے جائیں تو لفظ تراویح کی اصطلاح لغو اور بے فائدہ قرار

دریچہ یہ اصطلاح کن مخصوص زمانہ یا چند اشخاص تک محدود نہیں کہ اس کی معنوی و مقصودی حیثیت کیا سبق نظر نہ لایا جاوے کہ جس کی محنت و فروع نے راجعہ لاکھ میں اس اصطلاح کو بکثرت استعمال کر کے اس میں تو ترقی و تمدن کی صورت پیدا کر دی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ایک متواتر و اجتماعی اصطلاح ہے۔ اور کن متواتر و اجتماعی اصطلاح کو خود رو بہ فاعل و مفعول کرنے سے اور اس کی معنوی حیثیت سے انکار کرنے کے لیے کہانی سے زیادہ جو ضرور کار ہے۔ جبکہ صاحب علم و فہم کے تشبیہ و تمثیل کی طرف سے اس پر کوئی تکیہ بھی موجود نہیں۔ آئیے اس اصطلاح کا لغوی و اصطلاحی اور تاریخی حیثیت سے جائزہ لے لیں تاکہ حقیقت کھربور ہو سکے۔

۱۰۰

[illegible]

ابن کمال چاہت سے غلام و مست بن گیا۔ مقلد تو ہمیشہ بیوقوف بن جاتا ہے۔ مقلد کی زندگی بے مقصد و بے مقاصد ہے۔ مقلد کی زندگی بے مقصد و بے مقاصد ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ سے درمیان میں راحت و آرام کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس کی ہر چار رکعت کے بعد نمازیوں کے لیے کچھ وقفہ تجویز کیا گیا اور اس وقفہ کو ترویج کا نام دیا گیا۔ چنانچہ امام محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (جوشافی المدہب تھے تاریخ المشاہیر ص ۹۴) فرماتے ہیں کہ ترویجۃ شہر رمضان سمیت بہا لاستراحة بعد کل اربع رکعات - قیام رمضان میں ترویج نام ہر چار رکعت کے بعد آرام کے لیے رکھا گیا (القاموس المحیط جلد ۱ ص ۲۳۲) صاحب منجد فرماتے ہیں ثم سمیت بہا الجلسة الثی بعد اربع رکعات فی لیالی رمضان لاستراحة الناس بہا ثم سمی کل اربع رکعات ترویجۃ - پھر شب ہائے رمضان میں ہر چار رکعت نماز کے بعد آرام کرنے کے لیے نشست پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ پھر چار رکعت کو ترویج کہنے لگے۔ (ص ۲۹۰) علامہ مطرزیؒ فرماتے ہیں سمیت الترویجۃ لاستراحة القوم بعد کل اربع رکعات - اس کا نام ترویج ہر چار رکعت کے بعد قوم کے آرام کرنے کی وجہ سے رکھا گیا۔ (المغرب جلد ۱ ص ۳۵۲)۔ ملا غیاث الدین رامپوریؒ فرماتے ہیں کہ ان کو تراویح اس لیے کہتے ہیں کہ ہر چار رکعت کے بعد خود را راحت و آرام میدہند۔ (غیاث اللغات ص ۱۱۵)۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ چار رکعت کے بعد بیٹھ کر آرام کرنے کی وجہ سے اس کا نام ترویج رکھا گیا۔ (عمدة القاری جلد ۱ ص ۲۴)۔ صاحب کفایہ فرماتے ہیں کہ قیام رمضان میں ترویج ہر چار رکعت کا نام ہے۔ (کفایہ جلد ۱ ص ۴۰۰)۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں ترویج دو سلاموں کے ساتھ چار رکعت کو کہتے ہیں۔ (المہذب جلد ۲ ص ۳۲)۔ اور غیر مقلدین کا بھی یہی موقف ہے چنانچہ لکھا ہے کہ اس نماز کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے۔ کیونکہ تراویح ترویج کی جمع ہے اور ترویج کے معنی ایک مرتبہ آرام کرنے کے ہیں۔ (فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۶ ص ۲۴۱)

ان حوالہ جات سے بصر احاطہ معلوم ہو گیا کہ قیام رمضان کی ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر استراحت کی وجہ سے ہر چار رکعت کو ترویج کا نام دے دیا گیا۔

نذرانیج کا شریعتی و شرعی معنی: تراویح کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم کے بعد اب ہم اس کے شرعی مفہوم کی وضاحت بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں تراویح قیام

رمضان کا دوسرا نام ہے۔ اور قیام رمضان صدیوں سے اسی عنوان سے متعارف ہے۔ چنانچہ حضرت لیث بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ سَمِيتَ صَلَوةَ الْجَمَاعَةِ فِي لَيْالِي رَمَضَانَ بِالتَّرَاوِيحِ۔ رمضان کی راتوں میں پڑھی جانے والی باجماعت نماز کا نام تراویح ہے۔ (زرقاتی ج ۱ ص ۲۱۳)۔ علامہ عبد الرحمن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرتے تھے۔ وَلِهَذَا سَمِيتَ تَرَاوِيحَ۔ اس لیے اس کا نام تراویح رکھا گیا۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ ص ۳۳۳) ملا غیاث الدین رامپوریؒ فرماتے ہیں کہ تراویح وہ بیس رکعت نماز ہے جو شب ہائے رمضان میں ادا کی جاتی ہے۔ (غیاث اللغات ص ۱۱۵) منجد میں ہے وہی اسم العشرین رکعة۔ شب ہائے رمضان کی بیس رکعت کو بھی تراویح کہتے ہیں۔ (ص ۲۹۰) منجد کا مصنف عیسائی ہے۔ حیرت ہے کہ ساٹھ ہزار عربی الفاظ کے لغوی معانی و مفاہیم واضح کرنے والے مصنف کے پیش نظر تراویح کا عرفی مفہوم صرف بیس رکعت نماز کی صورت میں ہی سامنے آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سامنے بھی تاریخی ذخیرہ میں سے تراویح کے لیے بیس رکعات کے علاوہ کوئی نمونہ وثبوت موجود نہ تھا۔ ورنہ وہ اختلاف کا ذکر ضرور کرتا۔ غیر مقلدین کے نزدیک نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۶ ص ۲۴۱) ان حوالہ جات سے بصراحت معلوم ہو جاتا ہے کہ شرعی مفہوم کے اعتبار سے تراویح کا اطلاق اس نماز پر ہوتا ہے جو رمضان المبارک کی راتوں سے مخصوص ہے۔ دیگر دنوں میں نہیں پڑھی جاتی۔ اور جسے نبویؐ زبان سے قیام رمضان کا عنوان حاصل ہے۔

احمد علی خان قزوینیؒ کہی بنا ہا (چند علماء) : یہاں اس پہلو پر بھی غور کرنا ضروری

ہے کہ اصطلاح تراویح کی بناء اجتہاد کیا ہے۔ اس میں اسلاف کا اختلاف موجود ہے اور دو نکتہ نظر سامنے آتے ہیں پہلا یہ کہ اس اجتہاد کی بنیاد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یصلی اربع رکعات فی اللیل ثم یتروّح و اطال۔ نماز تہجد میں چار رکعت کے بعد طویل استراحت فرماتے۔ (بیہقی جلد ۲ ص ۳۹۷) دوسرا یہ کہ اس اجتہاد کی بنیاد

حضرت فاروق اعظمؓ کا عمل ہے جیسا کہ حضرت زید بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ دو ترویحوں کے درمیان اتنی دیر استراحت فرماتے کہ قدر ما یذهب الرجل من المسجد الى السبع کہ آدمی مسجد نبویؐ سے سلع پہاڑ تک جاسکے۔ (کنز العمال جلد ۸ ص ۲۶۴)۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ اس کی بناء اجتہاد فعل پیغمبرؐ پر ہے یا عمل فاروق اعظمؓ پر۔ یہ حقیقت واضح ہے کہ تراویح قیام رمضان ہی کا دوسرا نام ہے۔

بَلَدَاتُ كَبْ شَرَفِ عَشْرِ شَيْءٍ؟ : یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ ایک اجتہادی اصطلاح ہے جسے امت نے قبول کیا ہے۔ لیکن یہ اصطلاح کب متعارف ہوئی؟ امام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ قیام رمضان کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا کہ اول ما اجتمعوا علیہا اس پر سب سے پہلے صحابہ کرامؓ نے اجماع کیا۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۲۵۰)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوالبرکاتؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں لفظ تراویح کا استعمال عام معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ، عمرؓ، علیؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ کے ادوار میں اس لفظ کا استعمال کافی ملتا ہے۔ (فتاویٰ برکاتہ ص ۵۴)

لَا يَكُنْ لِحَافِشِكَ : مشہور غیر مقلد عالم مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ اسے نبویؐ زبان میں قیام رمضان کا نام دیا گیا ہے۔ تابعین اور ان کے اتباع میں اسے تراویح کے نام سے پکارا گیا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم نخعیؒ سے قیام اللیل میں مروی ہے۔ (جنان العجا یہ ص ۱۷۳) اثری صاحب صاف لفظوں میں یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ تراویح کی اصطلاح عصر حاضر یا ماضی قریب کی ایجاد کردہ نہیں بلکہ تابعین و تبع تابعین کے ہاں بکثرت مستعمل تھی۔ اور ابراہیم نخعیؒ جیسا امام اس کا راوی ہے۔ لیکن یہ نقل کرنے کے بعد اثری صاحب فرماتے ہیں کہ

”دوستوں نے تراویح کا نام اسے اس لیے دیا ہے کہ بیس رکعت ثابت ہوں کہ یہ ترویج کی جمع ہے جو چار رکعتوں کا ہوتا ہے۔ تو بیس رکعت پانچ ترویجے ٹھہرے اور آٹھ رکعت دو ترویجے ہوئے۔ تراویح (یعنی جمع) نہیں۔“ (ایضاً ص ۱۷۳)

اثری صاحب کی بدحواسی ملاحظہ فرمائیے کہ وہ مسلکی تعصب و ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو کر حقائق کو نسخ

استراحت کی شرعی حیثیت: ہر چار رکعت کے بعد عمل صحابہؓ و تابعینؓ سے استراحت ثابت ہونے کے بعد اس استراحت کی شرعی حیثیت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں کہ ہر چار رکعت کا نام ترویجہ، استراحت کی وجہ سے رکھا گیا۔ کما هو السنة فیہا جیسا کہ وہ استراحت سنت ہے۔ (المحرر الرائق جلد ۲ ص ۶۶) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں والمستحب فی الجلوس بین الترویجین مقدار الترویجۃ۔ دو ترویجوں کے درمیان ایک ترویجہ کے برابر بیٹھنا مستحب ہے۔ (ہدایہ جلد ۱ ص ۱۳۱) گویا یہ استراحت احناف کے نزدیک سنت غیر موکدہ ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فقہ حنفی کی جملہ کتب میں موجود ہے۔ اور علامہ عبدالرحمن جزیریؒ فرماتے ہیں کہ ہر ترویجہ پر استراحت احناف، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اتباع سلف کی بنا پر مستحب ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک اگر قیام لمبا ہو تو اتباع الفعل الصحابہؓ مستحب ہے ورنہ نہیں۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ ص ۳۴۳)

Telegram : t.me/pasbانهaq1

نہیں۔ البتہ بعض فقہاء نے عوام کی سموات کے لیے یہ دعا لکھی ہے۔

سبحان ذی الملك والملکوت سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة
والکبریاء والجبروت سبحان الملك الحي الذي لا يموت سبح قدوس ربنا و
رب الملائكة والروح لا اله الا الله نستغفر الله ونسئلك الجنة ونعوذ بك من
النار (ثانی جلد ص ۵۲۳)

تعداد تراویح : عہد خیر القرون سے لے کر عمر حاضر تک اس متواتر و اجماعی اصطلاح
کی روشنی میں اب ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ کتب حدیث و سیر میں لفظی اعتبار سے کتنے ترویحوں کا ثبوت
مہیا ہے۔ ذیل ذکر مائے

- (۱) سویت بن غفلہ - رمضان میں نماز پڑھاتے۔ خمس ترویحات (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۹۶)
- (۲) ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۲۲ (۲) ابوالخضر ثنی نماز پڑھاتے تھے۔ خمس ترویحات (صحیح ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۳۹۳) (۳) علی بن ربیعہ نماز پڑھاتے تھے۔ خمس ترویحات (ایضاً جلد ۲ ص ۳۹۳) (۴) ابن ابی اسحاق حضرت علیؓ نے نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ خمس ترویحات۔ (تذکرہ اعمال جلد ۸ ص ۲۶۳) (۵) ابو حنیفہ عن حماد عن ابی ابراہیم ان الناس كانوا يهلون خمس ترویحات۔ (کتاب آثار ابی یوسف ص ۳۱) (۶) عیسیٰ بن النخعی نماز پڑھاتے خمس ترویحات و فی العشر الاواخر ست ترویحات۔ (عبد اللہ ابن جلد ۳ ص ۲۶۶) (۷) عبد الرحمن بن ابی بکرہ سعید بن ابی الحسن اور عمر بن عبدیٰ نماز پڑھاتے۔ خمس تراویح (قیام الملیل ص ۱۵۸) (۸) شبر مہدی بن شکر نے نماز پڑھائی۔ خمس ترویحات (مرقات جلد ۳ ص ۱۹۲)

ان آراء میں بھراحت پانچ ترویحوں کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ بعض ائمہ سے ست ترویحات اور سب سے ترویحات کے الفاظ تو ملتے ہیں لیکن پانچ سے کم صرف ابو مجلز وغیرہ سے اربع ترویحات کے الفاظ ملتے ہیں۔ کسی مقام پر لفظی اعتبار سے تین یا اس سے کم ترویحوں کا ثبوت نہیں ملتا۔ کیا غیر مقلدین کوئی حوالہ پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ وضاحت ہو کہ صحابہ کرام تابعین یا تبع تابعین میں سے فلاں بزرگ دو ترویح یا تین ترویح پڑھتے پڑھاتے تھے۔ ہاتوا ہرہانکم ان کنتم صادقین۔

پانچویں ترویج کے بعد استراحت کا حکم : حتیٰ کہ فقہاء کرام نے تو پانچویں ترویج کے بعد استراحت کے حکم شرعی پر بھی بحث کی ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ کیا پانچویں ترویج کے بعد بھی استراحت مستحب ہے؟ بعض حضرات نے کہا ہاں اور بعض نے کہا نہیں۔ امام سیوطی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد طواف کعبہ کر لیتے تھے ولا بطوفون بعد الخامسة۔ پانچویں ترویج کے بعد وہ طواف نہیں کرتے تھے۔ (الحاوی للفتاویٰ جلد ۱ ص ۳۲۸) امام سیوطیؒ نے اسی پانچویں ترویج کے بعد استراحت کے حوالہ سے اہل مدینہ کی رکعات کا اختلاف بیان کیا ہے کہ جو لوگ پانچویں ترویج کے بعد چار رکعت نوافل نہ پڑھتے ان کی رکعات چھتیس ہوتیں اور جو پانچویں ترویج کے بعد بھی چار رکعت نوافل پڑھتے ان کی رکعات چالیس ہو جاتیں۔ اسی لیے بعض ائمہ کے نزدیک پانچویں ترویج کے بعد بھی استراحت مستحب ہے جیسا کہ نور الايضاح ص ۷۲ ما ثبت بالنسۃ ص ۲۱۱ فتاویٰ مولانا عبدالحی ص ۲۳۸ ہدایہ جلد ۱ ص ۱۲۳ اور الدر المختار جلد ۱ ص ۶۶۱ میں مذکور ہے کہ وكذا بين الخامسة والوتر۔ اسی طرح پانچویں ترویج اور وتر کے درمیان استراحت بھی مستحب ہے۔

قطع نظر اس سے کہ پانچویں ترویج کے بعد استراحت مستحب ہے یا مکروہ۔ یہ حقیقت واضح ہے کہ نماز تراویح پانچ تریحوں پر موقوف ہے۔ اگر پانچ ترویج نہ ہوتے تو پانچویں ترویج کے بعد حکم استراحت پر اختلاف رونما نہ ہوتا۔ خدا تعالیٰ غیر مقلدین کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

باب ہفتم سنن التراويح

زیر نظر باب میں ہم نماز تراویح کی سنتوں پر مختصر بحث کریں گے تاکہ یہ حقیقت مزید نکھر کر سامنے آجائے کہ تہجد و تراویح میں فرق ہے اور تراویح تہجد سے الگ اپنے مخصوص و مستقل احکامات رکھتی ہے۔

((قَدْ اَوْرِثَ سُنَّتَ مُحَمَّدٍ هِيَ : تراویح کی شرعی حیثیت کے بارے میں غیر مقلدین کے متضاد نظریات آپ ان شاء اللہ العزیز آخری باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ لیکن اس بات پر غیر مقلدین کا تقریباً اجماع ہے کہ تراویح سنت موکدہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا ایک مستند حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

سوال : تراویح سنت موکدہ ہے یا غیر موکدہ؟ اصول فقہ کی روشنی میں سنت موکدہ کی تعریف کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جس کام پر مواظبت اختیار کی وہ سنت موکدہ ہے یا نہیں؟

جواب : اصول فقہ کی تمام کتابوں میں سنت موکدہ کی تعریف اس قدر کی گئی ہے کہ وہ کام جس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیشکی اختیار کی ہے، صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مواظبت کو اصولیین میں سے کسی نے بھی سنت موکدہ قرار نہیں دیا۔ تراویح پر اگرچہ صحابہ کرامؓ کی مواظبت ثابت ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواظبت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے یہ سنت موکدہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۳۲)

جو لوگ صحابہ کرامؓ کے افعال و اقوال حتیٰ کہ ان کے اجتہاد و تفسیر قرآن تک کو حجت نہ مانتے ہوں، ان کی طبیعتیں اجماع صحابہؓ اور سنت خلفاء راشدینؓ کو سنت موکدہ کی حیثیت سے کیسے قبول کر سکتی ہیں؟ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تہجد و تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں تو کیا تہجد پر آنحضرت صلی

اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواظبت ثابت نہیں؟ یہ گتھی تو کوئی غیر مقلد ہی سلجھا سکے گا۔ لیکن یہ واضح ہو چکا ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک تراویح سنت موکدہ نہیں جبکہ جمہور ائمہ اہل سنت کے نزدیک تراویح سنت موکدہ ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمن الجزیریؒ فرماتے ہیں کہ

نماز تراویح تین اماموں (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) کے نزدیک سنت عین موکدہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک ہر مرد و زن کے لیے امر مستحب تاکید ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ جلد ۱ ص ۵۴۱)

اس بارہ میں فقہاء احناف کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

- (۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ان التراویح سنة لايجوز ترکها۔ تراویح سنت ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ (المبسط شرحی جلد ۲ ص ۱۳۵، کبیری ص ۴۰۰ وغیرہ) (۲) وقال صدر الشہید هو الصحيح۔ صدر الشہیدؒ نے کہا یہی صحیح ہے۔ (اعلاء السنن جلد ۷ ص ۶۳)
- (۳) التراویح سنة موکدة لمواظبة النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء الراشدين اجماعاً۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کی مواظبت کی وجہ سے تراویح بالا جماع سنت موکدہ ہے۔ (رد المحتار جلد ۱ ص ۵۱۱) (۴) التراویح سنة موکدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء اجماعاً۔ خلفاء راشدینؓ کی مواظبت کی وجہ سے تراویح مرد و زن پر بالا جماع سنت موکدہ ہے۔ (الدر المختار جلد ۱ ص ۶۵۹)
- (۵) تراویح بالا جماع صحابہؓ اور باجماع ائمہ اہل سنت، سنت موکدہ ہے و منکرہا مبتدع، ضال مردود الشہادة اس کا منکر بدعتی، گمراہ اور مردود الشہادت ہے۔ (جامع الرموز جلد ۱ ص ۹۵)
- (۶) تراویح خلفاء راشدینؓ کی مواظبت کی وجہ سے سنت ہے۔ (شرح الوقایہ جلد ۱ ص ۱۷۶)
- (۷) تراویح سنت موکدہ ہے جیسا کہ ہمارے جمہور اصحاب نے اس کی صراحت کی ہے۔ (العلیق المجد ص ۱۴۰) (۸) تراویح بالا جماع صحابہؓ سنت ہے اس کا منکر بدعتی و گمراہ ہے۔ (طحاوی جلد ۱ ص ۲۷۰) (۹) تراویح کا ادا کرنا سنت موکدہ ہے۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر اول مکتوب نمبر ۳۵) (۱۰) تراویح سنت موکدہ ہیں بلا عذر ان کو ترک کرنے والا عاصی و گنہگار ہے۔ خلفاء راشدینؓ و جمیع صحابہؓ و سلف صالحین سے ان کی مواظبت ثابت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۳ ص ۲۸۱)

(۲) تراویح کی پچاس رکعت سنت مشرک و شیبر: یہ ہم اگلے باب

(۱) امام اعظمؒ فرماتے ہیں: یصلیٰ عشرين رکعة کما هو السنة۔ بیس رکعت پڑھے

تراویح سنت موکدہ ہیں اور آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہے۔ (حاشیہ ہدایہ جلد ۱)

تارک فضیلت سنت ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۳) (۴) تراویح بیس رکعت سنت موکدہ ہیں

اس کے خلاف کرنے والا حنفیہ کے نزدیک تارک سنت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۴ ص

(۲۹۶) (۵) فقہ حنفی کے مفتی بہ قول کے مطابق بیس رکعت تراویح ہی سنت موكده ہیں۔ (الدر

المختار جلد اص ۹۸۔ ہدایہ جلد اص ۳۱ اشروح نقایہ جلد اص ۱۰۴ اجواہر الفقہ جلد اص ۳۸۱ وغیرہ)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تراویح علم کے اتفاق سے سنت ہے۔ (کتاب الاذکار ص ۸۳) اور یہی مذہب و مسلک فقہاء حنابلہ کا ہے جیسا کہ علامہ موفق الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ فرماتے ہیں و قیام شهر رمضان عشرون رکعة یعنی صلوة التراویح وہی سنة مؤكدة۔ یعنی میں رکعت تراویح سنت موکدہ ہے۔ (المغنی جلد ۲ ص ۱۶۶) گویا حنفی، شافعی اور حنبلی تینوں مکاتب فکر میں رکعت تراویح کے سنت موکدہ ہونے پر متفق ہیں۔

(۳) قرآن و بیح مساجد میں (۱) کرنا سنت ہے: جماعت و رکعات

تراویح کی سنت کا ذکر کرنے کے بعد مقام تراویح کی اولویت و افضلیت کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے کہ تراویح ادا کرنے کے لیے افضل مقام گھر ہے یا مسجد؟ غیر مقلدین کے اس بارہ میں متفرق مذاہب ہیں جن کی تفصیلات آپ آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ البتہ فقہاء اہل سنت اور ان میں سے بالخصوص فقہاء احناف کے نزدیک نماز تراویح مساجد میں ادا کرنا مسنون ہے۔ چنانچہ

(۱) علامہ جزیریؒ فرماتے ہیں و افضل صلاتها فی المسجد ماتفاق ثلاثة من الائمة و خالف المالکة ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ) کے نزدیک بالاتفاق تراویح مسجد میں افضل ہے۔ البتہ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ ص ۳۴۲) (۲) ان صلوة التراویح فی مساجد المسلمین سنة مسنونة۔ تراویح مساجد میں ادا کرنا مسنون ہے۔ (متدرک حاکم جلد ۱ ص ۴۴۰) (۳) صحیح یہی ہے کہ تراویح کا جماعت سے مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔ (الدر المختار جلد ۱ ص ۶۶۱) (۴) گھر میں اگر جماعت سے تراویح ادا کرے گا تو جماعت کی فضیلت مل جائے گی۔ البتہ مسجد کی فضیلت سے محروم ہوگا۔ (عالمگیری جلد ۱ ص ۱۸۵) (۵) سب لوگ اگر مسجد میں تراویح کی نماز چھوڑ دیں تو گنہگار ہوں گے۔ (عالمگیری جلد ۱ ص ۱۸۵) (۶) نماز تراویح مسجدوں میں پڑھنا سنت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۴ ص ۲۶۹)

گویا فقہاء احناف کے نزدیک نماز تراویح کا مساجد کے اندر ادا کرنا ہی افضل ہے۔ گھروں میں تراویح ادا کرنے سے آدنی فضیلت مسجد سے محروم رہتا ہے اور حنابلہ و شوافع کا بھی یہی مذہب و مسلک ہے۔

(ج) قرآن و بیح مساجد میں (۱) کرنا سنت ہے: تراویح کے اندر چوتھی سنت اسے

باجماعت ادا کرنا ہے۔ غیر مقلدین کے اس بارہ میں متضاد فتاویٰ آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیے۔ لیکن فقہاء احناف اسے بھی مسنون قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ

(۱) حضرت ملا علی قاری الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں لوگوں کی سستی کی وجہ سے نماز تراویح باجماعت پڑھنا افضل ہے۔ (مرقات جلد ۳ ص ۱۸۶) (۲) علامہ شرنبلالی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ صلوتہا بالجماعة سنة كفاية۔ اس کی جماعت سنت کفایہ ہے۔ (نور الايضاح ص ۷۲) (۳) تراویح کو باجماعت ادا کرنا سنت کفایہ ہے۔ اگر تمام اہل محلہ نے اس کی جماعت ترک کر دی فقد ترکوا السنة تو انہوں نے سنت کو ترک کر دیا۔ (منیۃ المصلی ص ۱۰۰) (۴) والسنة فیہا الجماعة۔ تراویح میں جماعت سنت ہے۔ (ہدایہ جلد ۱ ص ۱۳۱) (۵) والجماعة فیہا سنة علی الکفاية۔ جماعت تراویح کے اندر سنت کفایہ ہے۔ (الدر المختار جلد ۱ ص ۶۶۱) (۶) تراویح میں جماعت سنت ہے ترک کرنے والے گنہگار ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۴ ص ۲۵۵)

یاد رہے کہ شوافع کا بھی یہی مسلک ہے۔ چنانچہ علامہ نووی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق ہمارے اصحاب نے باجماعت تراویح کی فضیلت پر اتفاق کیا ہے۔ بل ادعی بعضهم فیہ اجماع الصحابة بلکہ بعض نے تو اس پر اجماع صحابہؓ کا دعویٰ کیا ہے۔ (مرقاۃ جلد ۳ ص ۱۸۶) اور امام بیہقی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ هذا لفیضلة صلوة التراويح فی الجماعة۔ نماز تراویح کی یہ فضیلت تو جماعت سے حاصل ہوتی ہے۔ (شعب الایمان جلد ۳ ص ۱۷۹)

گویا یہ مسئلہ تقریباً اجماعی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ علامہ نووی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ اور ان کے جمہور اصحاب، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور بعض مالکی علماء کے نزدیک نماز تراویح میں جماعت افضل ہے۔ کما فعلہ عمر بن الخطاب والصحابہ۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرامؓ کا فعل ہے۔ تمام مسلمانوں کا اس پر مستقل عمل ہے۔ لانه من الشعائر الظاهرة۔ کیونکہ یہ اسلام کے ظاہری شعائر میں سے ہے۔ (نووی حاشیہ مسلم جلد ۱ ص ۲۵۹)۔ علامہ کاسانی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ نماز تراویح کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اسے باجماعت اور مسجد میں ادا کیا جائے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اسے مسجد میں باجماعت ادا کیا۔ لہذا اسے مسجد کے اندر باجماعت ادا

کرنا ہی سنت ہے۔ البتہ اس کی کیفیت کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے یا سنت کفایہ۔
(بدائع الصنائع جلد ۱ ص ۲۸۸)

(۱) تشریح میں، مستدرقین اور سنن ترمذی: تراویح کی پانچویں سنت یہ ہے کہ اس میں قرآن پاک ختم کیا جائے اور فقہاء احناف کی کتب میں اس کی صراحت موجود ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

لأن السنة في التراويح المبرور مودة - نماز تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن سنت ہے۔
(ہدایہ الفقہ جلد ۱ ص ۶۶۲ - اعلام السنن جلد ۷ ص ۶۴ - فتاویٰ دارالعلوم جلد ۳ ص ۲۴۷)

اس حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک نماز تراویح میں ختم قرآن بھی مسنون ہے۔ لیکن یہ سنت موکدہ نہیں بلکہ سنت مستحبہ ہے۔ مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ اہل سنت بالخصوص فقہاء احناف کے نزدیک نماز تراویح میں پانچ سنتیں ہیں۔ (۱) نماز تراویح سنت ہے (۲) اس کی بیس رکعات سنت ہیں (۳) اس کا مسجد میں ادا کرنا سنت ہے (۴) اس کا باجماعت ادا کرنا سنت ہے (۵) اس میں کم از کم ایک قرآن کا ختم کرنا سنت ہے۔

شیخ رشید رضا رحمہ اللہ (ایک مشق) اب غیر مقلدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ مسجد حرامہ اور مسجد نبویؐ سمیت دنیا میں پچانوے فی صد سے زائد مساجد میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ اب جو شخص ان میں سے کسی مسجد میں باجماعت نماز پڑھتا ہے اسے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟ (۱) آٹھ رکعت تراویح پڑھ کے اور بارہ رکعت تراویح چھوڑ کر تقریباً دو تہائی حصہ قرآن سننے سے محروم رہے یا (۲) بیس رکعت تراویح پڑھ کر پورا قرآن سننے کی فضیلت حاصل کرے۔ بینوا توجروا۔ ویسے ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مفتی اعظم سعودیہ الشیخ ابن باز کا فتویٰ یہ ہے کہ السنة الاستماع مع الامامة ولو صلتی ثلاثا وعشرين ركعة۔ مقتدی کا اپنے امام کے ساتھ نماز رکعتیہ سنت ہے اگرچہ پچیس رکعت پڑھائے۔ (مجموع فتاویٰ الشیخ ابن باز جلد ۱ ص ۳۰۲)

باب ہشتم مذہب غیر مقلدین

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیس رکعات تراویح کی مخالفت میں چودہ سو سالہ امت مسلمہ کو علی الاعلان دعوت مبارزت دینے اور اجماع امت کو بر ملا بدعت قرار دینے والے عصر حاضر کے نومولود فرقہ غیر مقلدین کے تراویح سے متعلق متضاد مذاہب بھی نقل کر دیے جائیں تاکہ ارباب بصیرت پر ان کی اصلیت بھی آشکارا ہو جائے۔

”چند مذاہب“ تراویح جہالت و ضلالت ہے: تیسرے باب میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت میں جماعت تراویح کا اجرا نہیں فرمایا بلکہ سنت نبویؐ کا احیا فرمایا ہے لیکن روافض اسے ایجاد فاروقی قرار دے کر بدعت کہتے ہیں۔ بد قسمتی سے بعض معروف غیر مقلدین کا موقف بھی روافض کی طرح یہی ہے چنانچہ

نواب صدیق حسن خان بھوپالی ”اولیات فاروق اعظم“ کے تحت فرماتے ہیں کہ انہوں نے قیام شہر رمضان مسنون کیا۔ (تکریم المؤمنین، تقویم خلفاء راشدین ص ۸۲) نواب صاحب کے فرزند نواب نور الحسن خان فرماتے ہیں کہ آج کل کی مروجہ تراویح عہد نبویؐ میں ثابت نہیں بلکہ ایجاد حضرت عمر است۔ (عرف الجادی ص ۸۴) یعنی باپ اور بیٹا دونوں اس پر متفق ہیں کہ مروجہ تراویح کا سنت نبویؐ سے تعلق نہیں بلکہ یہ فاروقی ایجاد ہے۔ اب اس فاروقی ایجاد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وہ باپ (نواب صدیق حسن خان) کی زبانی سن لیجیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا کہنا نعمت البدعة هذه قابل قبول نہیں کیونکہ کوئی بدعت قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ ولم یقل بانها سنة۔ تراویح کو سنت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (الانتقاد الرجیح

ص ۶۲ بحوالہ فتح المسبین ص ۴۳۸)

غور طلب امر یہ ہے کہ جب تراویح سنت نہیں بلکہ بدعت ضلالت ہے تو پھر اس کی جماعت و رکعات کے بارے میں سیرت نبویؐ سے استدلال کیوں جائز ہوگا؟ چنانچہ اس کے جواب میں مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ:

”اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ سنت خلفاء راشدینؓ میں رکعات تراویح ہے اور آنحضرت ﷺ نے سنت خلفاء راشدینؓ کی اتباع کا حکم فرمایا ہے۔ پس کہنا غیر مقلدین کا کہ بیس رکعت بدعت عمریؑ ہے، جہالت ہے۔“ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۴ ص ۲۸۹)

﴿وَقَدْ سَلَّاهُ بِقُرْآنٍ رَاجِحٍ بِلَدَّتْ حَسَنُهُ﴾: غیر مقلدین کے

دوسرے مذہب کے مطابق تراویح بدعت حسنہ ہے چنانچہ

مولوی عبدالقادر حصاروی لکھتے ہیں کہ ”بہر حال نماز عشا کے بعد تراویح جماعت کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا جیسا کہ عام طور پر مروج ہے، نہ تعارض نبویؐ سے ثابت ہے نہ تعارض خلفاء اربعہ سے اس لیے یہ سنت نہیں..... جائز ہے، بدعت حسنہ ہے، سنت موکدہ نہیں بلکہ سنت نبویؐ اور سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں۔“ (صحیفہ اہل حدیث یکم رمضان ۱۳۹۲ھ) غالباً یہ وہی مولوی عبدالقادر حصاروی ہیں جو روایتی غیر مقلدانہ جوش و غلبہ کا عظیم شاہکار اور بڑے پختہ ہوئے غیر مقلد ہیں۔ انہوں نے ”سیاحۃ الجنان بمناکحہ اهل الايمان“ کے نام سے ایک خالص غیر مقلدانہ ذوق کی کتاب لکھی ہے جس میں وہ اپنے غیر مقلد بھائیوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ ”خفیو! کے عقائد و اعمال ذکر کر کے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ مشرک اور بدعتی ہیں اور بدعتی کے بارے میں حدیث سے یہ ثابت ہے کہ وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح آٹے سے بال۔ جب قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ مشرکین کو نکاح نہ دو اور نہ مشرک عورتوں سے نکاح کرو تو پھر اس زمانے کے مدعیان بالحدیث کس منہ سے اہل حدیث بنتے ہیں جو اہل بدعت خفی مذہب والوں کو اپنی لڑکیاں دے رہے ہیں؟ یہ دیدہ و دانستہ قرآن و حدیث کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔“ (ص ۱۵)

سنی، خفی مسلمانوں کو مشرک و بدعتی قرار دینا حصاروی صاحب کا ”میڈان برطانیہ“ خالص غیر

مقلد انہ ذوق تحقیق ہے اور خفیوں کو لڑکیاں دینا بھی غیر مقلدین کی سروردی ہے لیکن حصاروی صاحب کا یہ فلسفہ ہمارے لیے ناقابل فہم ہے کہ نماز تراویح جب سنت نبویؐ بھی نہیں، اور تعامل خلفاء راشدینؓ سے بھی ثابت نہیں تو پھر وہ جائز اور بدعت حسنہ کیسے ہے؟

وَقَبِيلُ الْمَذْهَبِ قُرَاوِيحُ فَلَيْسَ بِعِبَادَةٍ : گزشتہ طور میں فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۶۳۲ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ تراویح سنت مومکہ نہیں۔ غیر مقلدین کے تیسرے مذہب کے مطابق تراویح ایک نقلی عبادت ہے چنانچہ

مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ نماز تراویح سنت زائدہ ہے۔ (جنان النجیہ ص ۹۳) مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں کہ نماز تراویح بھی نقلی ہے۔ (رسول اکرمؐ کی نماز ص ۹۸) یہ نقلی عبادت ہے۔ (مقالات مولانا غزنوی ص ۷۷) نماز تراویح ایک قسم کی نقلی نماز ہے، اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ (فتاویٰ برکاتین ج ۲ ص ۲۸۹)

غور فرمائیے کہ نماز تراویح جب نقلی عبادت ہے نہ اس کے ترک سے گناہ ہوتا ہے اور نہ اس کے پڑھنے پر کسی کو مجبور کیا جاسکتا ہے تو پھر اس کی رکعات پر جھگڑا کیسا؟ اور کیا یہ تراویح کی مسنون حیثیت کو مجروح اور کمزور کرنے کی سازش نہیں؟

وَقَبِيلُ الْمَذْهَبِ قُرَاوِيحُ فَلَيْسَ بِعِبَادَةٍ : ایک دفعہ فرماتے ہیں:

مقلدین کے چوتھے مذہب کے مطابق تہجد و تراویح ایک ہی نماز ہے چنانچہ حکیم صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ ”نماز تراویح اور تہجد دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ رات کی نماز غیر رمضان میں جب سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جائے تو تہجد کہلاتی ہے اور اگر رمضان میں سونے سے قبل عشا کے ساتھ پڑھ لی جائے تو اس کو تراویح کہتے ہیں۔“ (صلوٰۃ الرسول ص ۳۷۸) مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں کہ ”رمضان المبارک میں تراویح یا رمضان کا قیام یہ وہی نماز ہے جس کا ذکر پہلے تہجد کے نام سے ہوا۔ آنحضرت ﷺ اسے تمام سال پڑھتے تھے۔ رمضان المبارک میں اس قدر رعایت دی گئی کہ سونے سے پہلے عشا کی نماز کے ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہے اور رات کے آخری حصے میں جاگنے کے بعد بھی۔“ (رسول اکرمؐ کی نماز ص ۹۸)

»پانچواں مذہب« قرآن و قرآن و بیچ جلد ۱ جلد ۱ انسان ہیں

ہیں: غیر مقلدین کے پانچویں مذہب کے مطابق تہجد و تراویح الگ الگ نمازیں ہیں چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسریٰ فرماتے ہیں کہ ”نماز تہجد تو سارا سال ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں۔“ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۵۶) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ (عبد اللہ چکڑالوی کی) ”ساری کوشش کا خلاصہ یہی ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی ایک ہی ہے، دونیں۔ یہی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہے، تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تہجد کا معنی ہے نیند سے اٹھ کر نماز پڑھنا۔ حدیث عائشہؓ سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اول شب اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے بلکہ اگر اس سے کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ آنحضرت ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔“ (اہل حدیث کا مذہب ص ۹۲) ”جس نماز تراویح کی سنیت کے ہم مدعی ہیں اس کا یہاں (حدیث انبیٰ خشیت ان یفرض علیکم میں) کوئی ذکر نہیں۔ یہ حدیث نماز تہجد سے متعلق ہے.... ہمارا دعویٰ اول شب کی نماز کے سنت ہونے کا ہے۔“ (ایضاً ص ۹۲) ”تراویح کا وقت عشا کی نماز کے بعد اول رات کا ہے اور تہجد کا آخر رات کا۔“ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۶ ص ۲۵۱) ”بہر حال قیام لیل غیر قیام رمضان ہے۔“ (نزل الابراہیم ص ۳۰۴ از نواب وحید الزمان) سید علی حسن خان اپنے والد نوب صدیق حسن خان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ نماز تراویح ہمیشہ آٹھ رکعات کے ساتھ ادا کرتے تھے اور نماز تہجد بالالتزام بارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (مآثر صدیقی ج ۳ ص ۶۳) شاید نواب صاحب اسی طرح اپنی بیس رکعات پوری کر لیتے ہوں۔ مولانا میاں نذیر حسین دہلویؒ رمضان المبارک میں بحالت قیام دو دفعہ قرآن سنتے۔ ایک دفعہ اول شب تراویح میں اپنے شاگرد حافظ احمد محدث سے اور پھر نماز تہجد میں اپنے پوتے حافظ عبدالسلام سے۔ (نتائج التقلید ص ۲۹)

ان حوالہ جات سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے پانچویں مذہب کے مطابق تہجد و تراویح دو الگ الگ اور مستقل نمازیں ہیں۔

»چوتھا مذہب« حشور علیہ السلام نے قرآن و بیچ کے

سلاو و فوجہ کئی فوجیوں پر ڈھائی: غیر مقلدین کے چھٹے مذہب کے مطابق
آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک میں تراویح کے علاوہ تہجد ادا نہیں فرمائے چنانچہ حکیم صادق سیالکوٹی
لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے رمضان میں تہجد نہیں پڑھی۔ پس تہجد مع وتر رمضان میں تراویح بن گئی۔
(صلوۃ الرسول ص ۳۱۰) اور مولانا محمد اسماعیل سلمیٰ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے رمضان میں
فرائض کے علاوہ تراویح کے سوا کوئی نماز ثابت نہیں۔ (رسول اکرم کی نماز ص ۹۸)

﴿الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ﴾ حَتَّىٰ تَخْرُجُوا مِنَ الدِّينِ ﴿۹۸﴾

علاقہ فوجہ ثابت ہے: غیر مقلدین کے ساتویں مذہب کے مطابق آنحضرت ﷺ سے
رمضان میں تراویح کے علاوہ تہجد پڑھنے کا ثبوت موجود ہے چنانچہ

مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ رمضان المبارک کی تین راتوں میں رسول اللہ ﷺ نے
صحابہ کرام کو اپنی مسجد میں جو باجماعت نماز پڑھائی تھی، اس میں اپنے آٹھ رکعات اور وتر علیحدہ
تھے۔ (جہان العجایب ص ۷۳ حاشیہ) مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ رہی یہ بات کہ جن
تین دنوں میں آپ نے اول شب تراویح پڑھی تھیں، ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی
ہوگی، یہ تو گیارہ رکعات سے زیادہ ہو گئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں یعنی
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور نے ان دنوں میں نماز تہجد پڑھی ہے مگر چونکہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن
کی مقدار ایسی قلیل ہے جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی اس لیے عائشہ رضی اللہ عنہا نے عام طور پر
نفی کر دی کہ آنحضرت نے کبھی زیادہ نہیں پڑھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضور نے
اسی اول شب کی نماز کو تہجد کے قائم مقام قرار دے کر پھر تہجد نہ پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز
کے قائم مقام ثواب میں ہو جانے سے ان دنوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھو جمعہ ظہر کے
قائم مقام ہو جاتا ہے مگر دونوں ایک نہیں۔“ (اہل حدیث کا مذہب ص ۹۳)

گویا مولانا امرتسری مرحوم آنحضرت ﷺ سے تراویح کے علاوہ تہجد ادا کرنے کی مطلق نفی نہیں

کرتے بلکہ دونوں نمازیں ادا کرنے کی امکانی صورت بیان کر رہے ہیں۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ﴾ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجُوا مِنَ الدِّينِ ﴿۹۸﴾

فلسفین ہیں: غیر مقلدین کے آٹھویں مذہب کے مطابق تراویح، قیام رمضان سے الگ نماز ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

قیام رمضان کا لفظ جو احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے، اس سے علی التحقیق وہ نماز مراد ہے جو ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں عشا کے بعد جماعت کے ساتھ خواہ اکیلے اکیلے پڑھی جائے، دونوں صورتوں میں قیام رمضان حاصل ہو جائے گا اور نماز تراویح بغیر جماعت کے حاصل نہ ہوگی۔ کرمائی نے جو کہا ہے کہ قیام رمضان سے بالاتفاق تراویح مراد ہے، یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۶ ص ۲۴۳) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک تراویح ایک تیسری نماز ہے کیونکہ ان کے نزدیک تہجد کی جماعت درست نہیں۔ (اہل حدیث کا مذہب ص ۹۱)

تراویح بغیر جماعت کے درست نہیں اور قیام رمضان دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

﴿فلسفین مذہب﴾ قرآن و بیچ ہا جماعت اور بلا جماعت

دونوں صورتوں میں ہیں دونوں ہی: غیر مقلدین کے نویں مذہب کے مطابق نماز تراویح جماعت کے ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہے اور بغیر جماعت کے بھی چنانچہ مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ تراویح خواہ باجماعت پڑھے یا اکیلا خواہ گھر میں یا مسجد میں، یہ سب درست ہے۔ (لواء الاسلام ص ۳۱)

﴿فلسفین مذہب﴾ قرآن و بیچ ہا جماعت کے جائز نہیں:

غیر مقلدین کے دسویں مذہب کے مطابق نماز تراویح بغیر جماعت کے جائز نہیں چنانچہ لکھا ہے کہ قیام رمضان نماز تراویح سے اہم ہے کیونکہ نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے۔ اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو تراویح نہ ہوگی۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۶ ص ۲۴۳)

﴿مکیان فلسفین مذہب﴾ چھوڑا ہوئے ہا جماعت قرآن و بیچ نہیں

دسویں ہے: غیر مقلدین کے گیارہویں مذہب کے مطابق رمضان کا پورا مہینہ نماز تراویح باجماعت ادا کرنا غیر مسنون ہے چنانچہ مولانا عبدالرحمن کیلائی فرماتے ہیں کہ

”رمضان کا یہ مہینہ نہ تو روک کا التزام میں مسلمانوں کا پڑھنا کہتے تھے نہ نمازوں کا۔
 کوئی لاشیٰ کہتا ہے کہ میں عرض ہو چکا قرآن التزام کے ساتھ نہ کرتے تھے۔ اہل سنت کا کہنا تھا
 کہ ہم نہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رمضان تو روک کی عفت ہو کہ کسے حج اہل سنت کے یہ عمر پر عجب
 کا اعلان بھی نہ ہوا حتیٰ کہ خود حضرت عمرؓ بھی اس میں شریک نہ ہوتے تھے۔“ (حدیث پر مبنی است
 حصہ چہر نمبر ۹۳۳)

پورا مہینہ باجماعت نماز تو روک پڑھنے کے لیے حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا جس سے مسلمانوں پر اتنا
 ہوا ہے یا نہیں؟ اور حضرت عمرؓ اس میں شریک ہوتے تھے یا نہیں؟ یہ بحث یہ شخصیں تو دیکھ کر ہنس رہے ہیں۔
 یہ معلوم ہو گیا کہ غیر متقدمین کا یہ رویہ اس مذہب کی ہے؟

وہاں شواہد مذہبہ قریب و دور تو یہ ہیں کہ ان کے الگ الگ گیارہ
 رکعتیں تھیں۔ غیر متقدمین کے بارہویں مذہب کے مطابق تھیں الگ الگ اور روک کی الگ
 گیارہ رکعتیں ہیں چنانچہ مولوی عنایت اللہ اثری لکھتے ہیں کہ

بخاری و مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (۱) رمضان المبارک کے (۲) گیارہ رکعت
 ماہ میں رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ نیز یہ کہ جو تھکے ہوئے
 کہ گھر میں اکیلے بوقت عری پڑھی جاتی ہے۔ اور غیر روک رمضان میں اور رات یہ محدث
 جبری قراءت کے ساتھ مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ ایسے محدثوں کی وجہ سے اسے نبیؐ کی زبان پر
 قیام رمضان کا نام دیا گیا ہے۔ (جہاں ابھی یہ ص ۷۳) رمضان المبارک کی تین راتوں میں
 رسول اللہؐ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی مسجد میں جو باجماعت نماز پڑھائی تھی اس میں اپنے آنحضرت
 رکعات اور وتر علیحدہ کرتے۔ (ایضاً ص ۷۴ احادیث)

یعنی قیام رمضان کی گیارہ رکعات الگ تھیں اور تھک کی گیارہ رکعات الگ۔ یہاں یہ بات
 وضاحت طلب ہے کہ کیا دونوں نمازوں کے لیے وتر الگ تھے؟ یا ایک ہی وتر دو بار پڑھے گئے؟ حالانکہ
 مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں کہ

اگر پہلی رات وتر ادا ہو جائیں تو دوبارہ وتر پڑھنا درست نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لا
 وتران فی لیلۃ۔ ایک ہی رات میں دو دفعہ وتر نہ پڑھے جائیں۔ ویسے بھی دو طاق نہیں اور وتر

گے بلکہ جوڑا ہو جائیں گے۔ (رسول اکرم کی نماز ص ۹۶) اور الشیخ بن باز فرماتے ہیں کہ لا یسبغی لاحد ان یصلی وترین فی لیلة یعنی ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ (مجموع فتاویٰ رضویہ ص ۲۸۹)

سوال: بعض غیر مقلدین نے ایک ہی رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے کی یہ عجیب صورت نکالی ہے کہ اگر کوئی شخص اول رات وتر پڑھ کر سو جاتا ہے اور پھر پچھلی رات کو اس کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ تہجد پڑھنا چاہتے ہے تو پہلے ایک رکعت پڑھ لے۔ یہ رکعت و ترو کے ساتھ مل کر جفت ہو جائے گی اور وتر ختم ہو جائیں گے۔ پھر تہجد سے فارغ ہو کر وتر پڑھ لے۔ (صحیفہ اہل حدیث جون ۱۹۶۴ء ص ۲۳)

سوال یہ ہے کہ قبل از تہجد پڑھی جانے والی ایک رکعت رات کے و ترو کے ساتھ مل کر تو جفت ہو جائے گی لیکن اس کی اپنی منفرد حیثیت کیا ہوگی؟ منفرد حیثیت کی بنا پر اگر وہ وتر ہی ہے تو کیا ایک ہی شب میں یہ دوسری بار و ترو ادا کر کے فرمان نبویؐ کی خلاف ورزی لازم نہ آئے گی؟ ممکن ہے کوئی عقلمند غیر مقلد یہ کہہ دے کہ اس سے فرمان نبویؐ کی خلاف ورزی ہرگز لازم نہیں آتی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تو ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے سے منع فرمایا ہے جبکہ ہم نے تو تین دفعہ وتر پڑھے ہیں۔ سونے سے قبل، تہجد سے قبل اور تہجد کے بعد۔ پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وتر کے بغیر تہجد ادا نہیں ہوتے کہ اس کے لیے اتنے پاؤں بیلے جارہے ہیں؟ اسی لیے مولانا محمد اسماعیل سلمیٰ فرماتے ہیں کہ

”بعض آثار میں وتر توڑنے کا ذکر آیا ہے یعنی تحری کے وقت ایک رکعت پڑھ کر شفع کر دے پھر نوافل پڑھ کر آخر میں وتر پڑھے۔ یہ بھی کمزوری بات ہے۔ جب نماز ایک دفعہ ادا ہوگئی تو اسے دوبارہ پڑھنا درست نہیں۔“ (رسول اکرم کی نماز ص ۹۷)

﴿قَبْرَهُوَ اَنْ مَّا رُبَّمَا قَرَأَ بِحِجْهِمْ وَكَانَ مِنْهُمْ مَّنْ فَعَلَ﴾

ہے: غیر مقلدین کے تیرہویں مذہب کے مطابق نماز تراویح گھر میں ادا کرنا افضل ہے چنانچہ ان کے شیخ الحدیث مولوی محمد یونس قریشی لکھتے ہیں کہ تہجد اور تراویح کی نماز آخر شب میں اپنے اپنے گھروں میں پڑھنا افضل ہے۔ (دستور السنی ص ۱۴۰) مولانا عبد القادر حصاروی لکھتے ہیں کہ گھر میں تراویح پڑھنے سے فرضوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ ہزار نماز سے زیادہ ثواب حاصل

ہوتا ہے۔ گھر میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ خیر و برکت نازل ہوتی ہے۔ یہ عمل خدا اور رسول کو محبوب ہے۔ (صحیفہ اہل حدیث یکم رمضان ۱۳۹۲ھ)

غور فرمائیے یہ فضیلت و افضلیت پڑھ کر کس کم بخت کا جی چاہے گا، مسجد میں جا کر تراویح پڑھنے کو؟ کہیں یہ دشمنانِ عمر کی طرف سے مسجدیں ویران کرنے کی گہری سازش تو نہیں؟ امام علی مرتضیٰؑ تو امام فاروقِ اعظمؓ کو تراویح کے ذریعہ مساجد آباد کرنے پر دعائیں دے رہے ہیں لیکن یہاں تو غیر مقلدین کی لگنا ہی الٹی بہتی ہے۔

﴿چند کھنڈان مذہب﴾ کتابت قرآن بیچ گھر رکعات نہ پڑھیں : غیر مقلدین کے چودہویں مذہب کے مطابق رکعات تراویح غیر معین ہیں۔ چنانچہ

قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ تراویح کا عدد معین سنت سے ثابت نہیں۔ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۹۸) نواب وحید الزمان خان لکھتے ہیں کہ ولا يتعين له عدد معين یعنی رکعات تراویح کی تعداد معین نہیں۔ (کنز الحقائق ص ۳۰۔ نزل الابراج ص ۱۲۶) نواب نور الحسن خان لکھتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی نماز میں ۱۱، ۲۰، ۲۱ اور ۲۳ رکعات کا اختلاف موجود ہے و بالجلہ عبدے معین در مرفوع نیامدہ۔ کسی مرفوع روایت میں رکعات تراویح کا عدد معین مذکور نہیں۔ (عرف الجادی ص ۸۴) مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ فرماتے ہیں کہ بدلہ کا معلوم ہے کہ قیام رمضان مع ۱۱، ۱۳، ۱۹ و صحیح احادیث میں موجود ہے۔ (تخریک آزادی فکر ص ۲۴۲) تہجد کی طرح تراویح میں بھی تعداد کی پابندی فرض نہیں، کم و بیش ہو جائیں تو بھی درست ہے۔ (رسول اکرم کی لماس ۹۸)

سوال یہ ہے کہ جب کسی مرفوع حدیث میں رکعات تراویح کا عدد معین موجود نہیں، عہد فاروقی میں حضرت ابی بن کعبؓ کی نماز کے اندر رکعات کا اختلاف موجود ہے تو پھر حدیث عائشہؓ و حدیث جابرؓ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

﴿چند کھنڈان مذہب﴾ کتابت قرآن بیچ کتابت قرآن : اچترادید سے ہے : ہم دلائل و براہین کے ساتھ واضح کر چکے ہیں کہ رکعات تراویح کا تعلق

سنت خلفاء راشدینؓ، تعامل صحابہؓ اور اجماع امت سے ہے لیکن غیر مقلدین کے پندرہویں مذہب کے مطابق رکعات تراویح کا تعلق نہ تو سنت نبویؐ سے ہے اور نہ سنت خلفاء راشدینؓ سے بلکہ اس کا تعلق قیاسی واجتہادی امور سے ہے چنانچہ مولوی عیاض اللہ اثری فرماتے ہیں کہ تراویح ۸، ۲۰، ۴۰ تک پڑھی جاتی ہیں۔ یہ امور اجتہاد یہ ہیں۔ ان میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ (جفان العجایہ ص ۱۶۵) اثری صاحب اپنی غیر مقلد برادری کو دعوت دے رہے ہیں کہ رکعات تراویح کا معاملہ اجتہادی ہے، اسے سنت نبویؐ اور تعامل صحابہؓ سے تلاش کرنا درست نہیں۔ اجتہاد کو فعل شیطانی قرار دینے والوں کے لیے یہ لمحہ فکر یہ ہے کہ انہیں رکعات تراویح کے لیے بھی اجتہاد جیسے شیطانی فعل سے گزرنا ہوگا۔

مسنون رکعات کی گیارہ رکعات مسنون،
باقی بدعت ہیں: غیر مقلدین کے سولہویں مذہب کے مطابق نماز تراویح کی گیارہ رکعات
مسنون ہیں اور باقی بدعت ہیں اور یہ مذہب ہے غیر مقلدین کے محسن اعظم مولانا محمد حسین بٹالویؒ کا
(جنہوں نے اپنے حق الخدمت کے طور پر حکومت برطانیہ سے غیر مقلدین کے لیے لفظ اہل حدیث
سرکاری طور پر الاٹ کرایا) چنانچہ انہوں نے باقاعدہ اشتہار شائع کر کے اعلان کیا کہ جس نے تراویح
بیس رکعات پڑھیں، اس کی گیارہ رکعات مسنون بھی ادا نہ ہوئیں۔ (بحوالہ رسالہ تراویح مع ترجمہ
ینائع ص ۲۲) خطہ پنجاب میں بٹالوی صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے آٹھ تراویح کی سنیت کا نعرہ بلند
کیا حالانکہ اس سے قبل پورے خطے میں بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں چنانچہ مولانا عبد المجید
سوہدرویؒ غیر مقلد فرماتے ہیں کہ لاہور میں آٹھ تراویح کی ترویج آپ (بٹالوی صاحب) ہی سے
ہوئی۔ (سیرت ثنائی ص ۳۵۲) مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ مقلدین کی ایک بڑی جماعت
نے بیس رکعات مقرر کر کے بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے۔ (رفع الاختلاف ص ۵۴)

﴿سُورَةُ الْاَنْعَامِ﴾ قُرْآنِ مجید کی چار و کتاب مسنون،

باقی رہے ہیں: غیر مقلدین کے سترہویں مذہب کے مطابق نماز تراویح کی گیارہ رکعات مسنون اور باقی مستحسن ہیں چنانچہ

مولانا محمد اسماعیل سلمیٰ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ اور تابعین ۲۰، ۳۸، ۴۱ رکعت پڑھتے رہے۔

نوافل کی کثرت مستحسن ہے۔ زیادہ کو کسی نے برا نہیں کہا۔ (تحریک آزادی فکر ص ۲۴۲) بعض آثار میں اور بعض ائمہ سے بھی بیس رکعت تک اور اس سے زیادہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ اگر کوئی بطور نفل پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (رسول اکرمؐ کی نماز ص ۱۰۱) مولانا محمد داؤد غزنوی فرماتے ہیں کہ اہل حدیث آنحضرتؐ رکعت تراویح سنت سمجھ کر پڑھتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص یا کوئی جماعت بیس یا چالیس رکعات تراویح پڑھے تو اسے بدعت نہیں کہتے۔ (مقالات داؤد غزنوی ص ۷۷) اسی لیے مولانا داؤد غزنویؒ اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرتؐ سنت رسول اللہ ﷺ کی ہے اور باقی بارہ رکعات مستحب ہیں۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۶ ص ۲۶۵) نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کی بیس رکعتیں قرار دی ہیں۔ یہ عدد اگرچہ خصوصیت کے ساتھ ثابت نہیں لیکن رمضان میں جماعت اور نماز پر صادق آتا ہے پس اسے بدعت کہنے کا کوئی معنی نہیں۔ (بدورالابلہ ص ۸۳) اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بہت سے صحابہ کرامؓ اور ائمہ اسلام سے بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اس سوال کہ صحابہ کرامؓ میں کسی صحابی نے بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں یا نہیں؟ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ انفرادی طور پر بعض صحابہؓ نے بیس بھی پڑھی ہیں، چالیس بھی پڑھی ہیں مگر جماعت آنحضرتؐ کی ہوتی تھی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۶۵۳)

یہ بحث تو ہم تفصیل سے کر چکے ہیں کہ خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ علیہم الرضوان کی باجماعت تراویح بیس رکعت تھی یا آٹھ لیکن مولانا سلفی اور مولانا امرتسری کے مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تراویح کے عنوان سے بیس رکعات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں اور فتاویٰ برکات میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہ کرامؓ سے بیس یا اکتالیس رکعت تراویح پڑھنا منقول ہے۔ (ص ۸۱) سوال یہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت موجود ہے تو پھر بیس رکعت کو بدعت کہنا اور ان کے پڑھنے سے روکنا کتنی بڑی جسارت ہے۔

«سَلَامًا اَدْرَسْتُمْ؟ كَا فَتْنَةٍ» اسی لیے مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ بیس رکعات تراویح

سے روکنے والے کو گنہگار قرار دیتے ہیں چنانچہ

ان سے سوال ہوا کہ احناف لوگ امام اہل حدیث کے پیچھے آنحضرتؐ رکعات تراویح ادا کر کے باقی

بارہ رکعات اپنے مذہب کے مطابق کسی امام کے پیچھے اسی مسجد میں باجماعت پڑھتے ہیں، کیا اہل حدیث ان کو منع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا امرتسری فرماتے ہیں کہ اہل حدیث ان کو منع نہیں کر سکتے۔ کریں گے تو گنہ گار ہوں گے۔ تراویح کی رکعات مسنونہ آٹھ ہی ثابت ہیں تاہم باقی نوافل سے تو کم نہیں۔ خصوصاً اس حال میں کہ بہت سے ائمہ اسلام کا یہی مذہب ہے۔ پس بند کرنا گناہ ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۸۶)

مولانا امرتسری مرحوم کے مذکورہ فتویٰ سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو چکی ہے کہ بیس رکعات تراویح بہت سے ائمہ اسلام کا مذہب ہے اس لیے اگر اہل سنت والجماعت احناف کو کسی وجہ سے غیر مقلدین کی مسجد کے اندر غیر مقلد امام کی اقتدا میں تراویح پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو وہ اسی مسجد میں تراویح کی اپنی بقیہ رکعات کسی سنی حنفی امام کی اقتدا میں پوری کر سکتے ہیں۔ غیر مقلدین انہیں ہرگز روک نہیں سکتے۔ اگر روکیں گے تو گنہ گار ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ غیر مقلدین کی مسجد میں اگر کسی حنفی کو اپنے حنفی امام کی اقتدا میں بیس رکعات تراویح پوری کرنے سے روکنا گناہ ہے تو احناف کو ان کی اپنی مساجد میں بیس رکعات پڑھنے سے منع کرنا کتنا بڑا گناہ ہوگا؟ اور پھر اسے بدعت قرار دے کر اس کے خلاف تقریری و تحریری محاذ قائم کر لینا تو یقیناً اس سے بھی بڑا گناہ ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

وَلَا تَقْفُ أَكْثَرَ الَّذِينَ هَارَوْا بِمَسَاجِدٍ

میں ان کے امام کی اقتدا میں آٹھ رکعات پڑھ کر اسی مسجد کے اندر اپنی بقیہ بارہ رکعات اپنے حنفی امام کی اقتدا میں پوری کرنے کا حکم اہل سنت والجماعت احناف کے بارے میں آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مقلد اہل سنت والجماعت احناف، شوافع، حنابلہ یا مالکیہ کی مسجد میں نماز تراویح پڑھنے کے لیے آئے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ امام کی اقتدا میں بیس پوری کرے یا آٹھ پڑھ کر چلا جائے؟ اس بارے میں سعودی عرب کے مفتی اعظم الشیخ ابن باز کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

ان سے سوال کیا گیا کہ بیس رکعات تراویح پڑھانے والے امام کے پیچھے صرف گیارہ رکعت پر اکتفا کر کے باقی رکعات امام کے پیچھے نہ پڑھنے والے کا یہ فعل کیا موافق سنت ہے؟ اس کے جواب میں امام حرم فرماتے ہیں کہ:

السنة الاتمام مع الامام ولو صلى ثلاثا وعشرين ركعة لان الرسول ﷺ قال من قام مع الامام حتى ينصرف كتب الله له قيام ليلة وفي اللفظ الآخر بقية ليلته فالافضل للمامون ان يقوم مع الامام حتى ينصرف سواء صلى احدى عشرة ركعة او ثلاث عشرة او ثلاثا وعشرين او غير ذلك هذا هو الافضل ان يتابع الامام حتى ينصرف والثلاث وعشرون فعلها عمر رضى الله عنه والصحابة فليس فيها نقص وليس فيها اخلال بل هي من السنن سنن الخلفاء الراشدين (مجموع الفتاوى ج ۳ ص ۳۰۲، ۳۰۵) ”امام کے ساتھ نماز پوری کرنا سنت ہے اگرچہ وہ تینیس رکعات پڑھائے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کے ساتھ آخر تک قیام کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے پوری رات یا بقیہ رات کے قیام کا بھی ثواب لکھ دیتے ہیں۔ افضل یہی ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ نماز پوری کرے خواہ امام گیارہ رکعات پڑھائے یا تیرہ رکعات یا تینیس رکعات یا اس کے علاوہ۔ نماز کے آخر تک امام کی اقتداء افضل ہے اور تینیس رکعات تراویح حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا فعل ہے جس میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ کوئی نقص بلکہ یہ خلفاء راشدینؓ کی سنتوں میں سے ہے“

غور فرمائیے کہ الشیخ ابن باز صاف طور پر یہ فتویٰ دے رہے ہیں کہ تینیس رکعات نماز تراویح پڑھانے والے امام کی اقتداء میں نماز پوری کرنا ہی سنت و افضل ہے اور درمیان میں چھوڑ کر چلے جانا خلاف سنت اور خلاف افضل ہے لہذا غیر مقلدین پر لازم ہے کہ وہ خفیوں کو درمیان میں تراویح چھوڑنے پر اکسانے کے بجائے خود بھی خفی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی صورت میں تینیس رکعات پوری کریں اور درمیان میں چھوڑ کر سنت و افضلیت کے تارک نہ بنیں۔

یاد رہے کہ شیخ ابن باز کا موقف یہ ہے کہ الافضل فی قیام رمضان ان یصلی المسلمون فی مساجدہم احدى عشرة ركعة او ثلاث عشرة ركعة یعنی قیام رمضان میں افضل یہ ہے کہ مسلمان مساجد میں گیارہ یا تیرہ رکعات ادا کریں۔ (مجموع الفتاوى ج ۳ ص ۳۰۱) لیکن اس کے باوجود وہ تینیس رکعات کو حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام کا فعل بھی تسلیم کرتے ہیں اور خلفاء راشدینؓ کی سنت بھی نیز وہ حدیث ابن عمر (صلوۃ اللیل مثنی مثنی) کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ و دل علیہا

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ لان النبی ﷺ لم یحدد فيه عددًا معينًا بل قال صلاة الليل مثني مثني یعنی یہ حدیث اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیام رمضان کے لیے کوئی عدد متعین نہیں کیا بلکہ یہی فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ (ایضاً ص ۳۰۲ و ص ۳۰۵) گویا شیخ ابن بازؒ کے استدلال سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود تو گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھی ہیں لیکن امت کے لیے کوئی حد مقرر نہیں کی البتہ خلفاء راشدینؓ کی سنت اور صحابہ کرام کا تعامل تینیس رکعات کا ہی ہے۔

﴿اَلَمْ يَرَوْا اَنْ مَّا هُوَ مِنْ دِيْنٍ مَّا هُوَ مِنْ دِيْنٍ مَّا هُوَ مِنْ دِيْنٍ﴾

غیر مقلدین کے اٹھارہویں مذہب کے مطابق بیس رکعات نماز تراویح پڑھنا سنت خلفاء راشدینؓ ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے چنانچہ نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ گیارہ رکعتیں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں اور بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اضافے سے ہوئی ہیں۔ اضافے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ تعداد میں سنت نبویؐ (گیارہ رکعت) بھی داخل و شامل ہے، پس بڑھائی ہوئی رکعات پر عمل کرنے والا بھی سنت پر عمل کرنے والا ہے۔ (ہدایۃ السائل ص ۱۳۸) نواب وحید الزمان خانؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح میں رکعتیں پڑھنا منقول ہے۔ (تیسیر الباری ج ۲ ص ۳۳۳) بیس رکعات تراویح کی خلفاء راشدینؓ سے منقول ہیں۔ (ایضاً ج ۲ ص ۶۷۹) بہر حال آنحضرت ﷺ سے بیس رکعتیں تراویح کی پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ صرف آٹھ رکعتیں پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے زمانے سے منقول ہیں تو آٹھ رکعتیں سنت نبویؐ اور سنت خلفاء راشدینؓ دونوں ہیں اور بیس رکعتیں سنت ہیں خلفاء راشدینؓ کی اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمسکوا بسنتی وسنة الخلفاء الراشدينؓ (ترجمہ موطا ج ۱ ص ۱۰۰)

چنانچہ سنت خلفاء راشدینؓ کے مطابق اہل سنت والجماعت کے متواتر مذہب بیس رکعات کے خلاف جب مولانا محمد حسین ہالوی نے اشتہار شائع کیا اور اس میں بیس رکعت تراویح کو بدعت قرار دیا تو میاں نذیر حسین دہلویؒ کے شاگرد رشید اور مولانا محمد عبداللہ غزنویؒ کے مرید خاص مشہور غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول صاحب (قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ) نے ہالوی صاحب کو غالی مولوی قرار دیتے

ہوئے ان کا رد لکھا۔ فرماتے ہیں :

”لہذا ہم چند فقہ روایتیں پیش کرتے ہیں۔ ان سے آنحضرت ﷺ کی سنت پر بھی عمل ہوتا ہے اور خلفاء راشدین کی سنت پر بھی اور اس میں اجر بھی زیادہ ہے۔“ (رسالہ تراویح مع ترجمہ ینافع ص ۲۳) ”عہد فاروقی سے لے کر اس وقت تک صحابہ کرام، تابعین، ائمہ اربعہ اور مشرق و مغرب کے مسلمانوں کے سوا اہل عظیم کے عمل سے تیسریں رکعات پڑھی جاتی ہیں۔“ (ایضاً ص ۲۸)

فَلْيُحَذِّرُوا سَهْرًا : غیر مقلدین کے مذکورہ اختلاف مذاہب سے یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ آج تک اندرون خانہ تراویح کی شرعی حیثیت اور اس کی رکعات کی مسنون پوزیشن پر بھی کوئی متفقہ اور مسلمہ رائے قائم نہیں کر سکے اور اس بارے میں مختلف و متضاد نظریات کے عجوبہ مرکب کی بنیاد پر انہوں نے صرف احناف کے خلاف ایک متوازی و مقابل محاذ قائم کر رکھا ہے ورنہ مسئلہ کی متفقہ اور مسلمہ حیثیت سے وہ بھی باخبر ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں احناف دشمنی کے مہلک و خطرناک مرض سے نجات عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

سوال نامہ

مذکورہ مذاہب غیر مقلدین کی روشنی میں عصر حاضر کے غیر مقلدین سے ہمارا سوال ہے کہ :

- (۱) کیا واقعی تراویح بدعت ضلالت ہے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اگر نہیں تو نواب صدیق حسن خان کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟
- (۲) کیا واقعی تراویح سنت نہیں، بدعت حسنة ہے؟ اگر نہیں تو مولوی عبدالقادر حصاروی کے بارے میں کتابچہ کب شائع ہوگا؟
- (۳) کیا واقعی تراویح غلطی و اختیاری عبادت ہے جسے بلا عذر ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں؟
- (۴) کیا واقعی سنت کے مطابق تہجد و تراویح ایک ہی نماز ہے؟ اگر ایک ہی ہے تو نواب صدیق حسن، میاں نذیر حسین، نواب وحید الزمان اور مولانا امرتسری کے خلاف اشتہار کب شائع ہوگا جو دونوں کو الگ الگ قرار دیتے تھے؟

(۵) کیا واقعی قیام رمضان، تراویح سے الگ کوئی نماز ہے؟ اگر الگ نماز ہے تو اس کی رکعات کتنی ہیں؟

(۶) کیا واقعی نماز تراویح باجماعت کے بغیر جائز نہیں؟ اگر کوئی پڑھ لے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ تراویح ادا ہوگی

یا نہیں؟

(۷) کیا واقعی تہجد اور تراویح کی الگ الگ گیارہ رکعات ہیں؟ اگر ہیں تو سنت کی روشنی میں ان کی ترتیب کیا ہوگی؟

(۸) تراویح اول شب پڑھنی افضل ہے یا آخر شب؟ سنت نبویؐ کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

(۹) تراویح گھر میں پڑھنی افضل ہے یا مسجد میں؟ اور جو گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں، ان پر کیا فتویٰ ہوگا؟

(۱۰) کیا واقعی تراویح کی رکعات متعین نہیں؟ اگر متعین ہیں تو ۹، ۱۱، ۱۳، ۲۰، ۴۰ تراویح پڑھنے کی اجازت دینے والوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر رکعات متعین نہیں ہیں تو آٹھ اور بیس کا جھگڑا کھڑا کرنے کے مقاصد کیا ہیں؟

(۱۱) کیا واقعی تراویح کی گیارہ رکعات مسنون اور باقی بدعت ہیں؟ اگر بدعت ہیں تو پڑھنے والوں کا کیا حکم ہے؟ فتویٰ دینے سے قبل گزشتہ اوراق میں ان کی فہرست ضرور ملاحظہ فرمالیجیے۔ اور اگر بدعت نہیں تو انہیں بدعت قرار دینے والوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۱۲) کیا واقعی تراویح کی گیارہ رکعات مسنون اور باقی مستحسن ہیں؟ اگر مستحسن ہیں تو پڑھنے والوں کے خلاف مناظرہ بازی اور اشتہار بازی کا سلسلہ کیوں؟ کیا مستحسن عمل سے کسی کو روکنا جائز ہے؟

(۱۳) کیا واقعی بیس رکعات سنت خلفاء راشدینؓ ہیں؟ اگر نہیں تو مفتی اعظم سعودیہ شیخ ابن بازؒ پر کیوں فتویٰ جاری نہیں ہوتا جو بیس رکعات کو سنت خلفاء راشدینؓ قرار دیتے ہیں؟

(۱۴) کیا واقعی غیر مقلدین کی مساجد میں احناف کو اپنی بیس رکعات تراویح اپنے امام کی اقتدا میں پوری کرنے سے روکنا گناہ ہے؟ اگر نہیں تو سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے بارے میں کیا رائے ہے؟

(۱۵) کیا واقعی غیر مقلدین کو اہل سنت کی مساجد میں سنی امام کے پیچھے بیس رکعات پوری کرنا ضروری ہیں؟ اگر نہیں تو الشیخ بن بازؒ پر کب فتویٰ جاری ہوگا جو اسے سنت قرار دیتے ہیں؟

اپنے ناقص علم و مطالعہ کی بنیاد پر ہم نے مستند کتب کے حوالے سے مسئلہ تراویح کے جملہ پہلوؤں پر مدلل بحث قارئین کے سامنے پیش کر دی ہے اور غیر مقلدین کے اس بارے میں متضاد نظریات بھی تحریر کر دیے ہیں تاکہ مسئلہ تراویح کو اس کی پوری حقیقت کے ساتھ سمجھنے میں آسانی رہے۔ خدا تعالیٰ اسے عمومی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ النبی اکرم ﷺ۔

خاک پائے احناف و تنگ اسلاف
عبدالحق خان بشیر

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر کی تالیفات

- (۱) قادیانیت کے نشیب و فراز
- (۲) سیرت و شہادت امام مظلوم سیدنا عثمان غنیؓ (زیر طبع)
- (۳) شرعی پردہ۔ آبرو کا ضامن یا آرزو کا دشمن؟ (زیر طبع)
- (۴) تاریخ و مسلک علماء دیوبند (زیر طبع)
- (۵) برصغیر پاک و ہند کے بزرگان دین کے
غیر مقلدین کی گہری سازش
- (۶) عقائد و نظریات اہل سنت والجماعت (زیر طبع)
- (۷) تنظیم فکر ولی اللہی اپنے افکار کے آئینے میں (زیر طبع)
- (۸) مولانا عطاء اللہ بندیا لوی کے فریب و فراڈ
- (۹) نماز تراویح اور مذاہب اہل حدیث
- (۱۰) حرم نبوی سے کربلائے معلیٰ تک (زیر ترتیب)